35

یکم اکتوبر 2003ء 4 شعبان 1424ھ

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

- مغرب کو اسلام کی دعوت (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)
- سیکولر ذہن کے تضادات
- انسانی تاریخ کا سب سے بڑا دھوکا

www.tanzeem.org

معراج النبی ﷺ

قرآن حکیم میں واقعۂ معراج کا ذکر دو مقامات پر صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں نہ کسی اشارے کنائے' یا رمز' یا ایماء کا انداز ہے اور نہ یہاں کوئی ابہام یا ایہام ہے۔ بلکہ صراحت کے ساتھ واضح الفاظ میں اس واقعے کا ذکر ہے۔ اس سفرِ مبارک کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ زمینی ہے' یعنی مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور دوسرا حصہ آسمانی ہے' یعنی مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک۔ چنانچہ قرآن مجید میں دو مقامات پر اس واقعہ کے دونوں حصّوں کو جدا جدا بیان کیا گیا۔

پندرھویں پارے کی بھی پہلی آیت ہے اور سورۂ بنی اسرائیل کی بھی پہلی آیت جس میں اس زمینی سفر کا ذکر ہے۔ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ ''پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات اپنے بندے کو شب کے ایک حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک'' ﴿الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ﴾ ''جس کے ماحول (گردوپیش) کو ہم نے مبارک بنایا'' ﴿لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط﴾ ''تاکہ ہم دکھائیں اسے (ﷺ) اپنی نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں'' ﴿اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ ''یقیناً سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا تو صرف وہ (تبارک وتعالیٰ) ہے۔''

گویا اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کی اطلاع خود قرآن سے ملتی ہے جو ہمارے لئے مرجع اوّل ہے۔ اس حوالے سے یہ بات جان لیجئے کہ چونکہ اس واقعے کی بنیاد صرف احادیث ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں بھی بصراحت اس کا ذکر ہے' لہٰذا اس کا انکار کفر ہوگا' اگرچہ توجیہہ اور تاویل کے اعتبارات سے الفاظِ قرآنی میں جس حد تک گنجائش ہو اُس حد تک اگر کوئی اختلاف ہو تو اسے کفر نہیں سمجھا جائے گا۔

اس واقعہ کے ضمن میں ہمارے لئے مرجع ثانی احادیثِ نبویہؐ ہیں ـــــ ہمارے دین کے یہ دو بنیادی مآخذ ہیں' قرآن وحدیث۔ اسی کو اصطلاحاً کتاب وسنت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ معروف بات ہے کہ احادیث میں درجہ بندی ہے۔ سند کے اعتبار سے قوی ترین احادیث وہ ہیں جو صحیحین یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں۔ ان میں سے بھی وہ احادیث جو اِن دونوں میں موجود ہوں' جن کی صحت پر یہ دونوں امام متفق ہو گئے ہوں' وہ اپنی سند کے اعتبار سے قرآن مجید کے آس پاس پہنچ جاتی ہیں۔ اس وضاحت کے بعد یہ بات جان لیجئے کہ اگرچہ ایسی احادیث کی تعداد کثیر ہے جن میں مختلف تفاصیل مذکور ہیں' تاہم نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ کم از کم اٹھائیس صحابہ کرامؓ سے یہ واقعہ مروی ہے۔

چونکہ ایک ہی روایت کئی کئی صحابہؓ سے مروی ہے اس اعتبار سے روایات کی تعداد تو اٹھائیس سے بھی بڑھ جائے گی' لیکن ان صحابہ کی تعداد اٹھائیس ہے جن سے واقعۂ معراج کا ذکر تفصیلاً یا اجمالاً مروی ہے۔ پھر ان میں ایک بڑی مفصل روایت وہ بھی ہے جو متفق علیہ ہے۔ یعنی وہ احادیث کے اس طبقے سے تعلق رکھتی ہے کہ جن کے بارے میں شک وشبہ کی گنجائش بہت کم رہ جاتی ہے' بلکہ صحیح تر بات یہ ہوگی کہ معدوم کے درجے میں آجاتی ہے۔ اس متفق علیہ حدیث میں جو تفاصیل آئی ہیں' انہیں ہمیں مِن وعَن ماننا ہوگا۔

ماخذ: کتابچہ ''معراج النبی''

ڈاکٹر اسرار احمد

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ البقرۃ (آیات 250 تا 252)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾

''اور جب وہ لوگ جالوت اور اُس کے لشکر کے مقابل میں آئے تو (خدا سے) دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتح یاب کر۔ تو طالوت کی فوج نے خدا کے حکم سے اُن کو ہزیمت دی اور داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور خدا نے اِس کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور حملہ کرنے) سے ہٹاتا نہ رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا، لیکن خدا اہل عالم پر بڑا مہربان ہے۔ یہ خدا کی آیتیں ہیں جو ہم تم کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (اے محمدؐ!) تم بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہو۔''

جب طالوت اور اُس کے ساتھی، جالوت اور اُس کے لشکروں کے سامنے آئے تو اس طرح دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! ہم پر صبر انڈھیل دے۔ یہاں الفاظ ہیں اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا۔ اَفْرَغَ یُفْرِغُ کا مطلب ہے کسی برتن سے پانی اس طرح گرا دینا کہ وہ برتن خالی ہو جائے۔ گویا ہم پر بے انداز صبر ڈال دے، یعنی ہمارے اوپر صبر کی بارش کر دے اور ہمارے قدموں کو جما دے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ یوں یہ دعا اہل ایمان کو سکھائی جا رہی ہے کہ ایسے موقعوں پر اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح دعا کی جائے۔ چنانچہ میدانِ بدر میں ایسا ہی ہوا۔

پس جنگ ہوئی تو طالوت اور اُس کے ساتھیوں نے جالوت اور اس کے لشکروں کو تائید خداوندی سے شکست دی اور حضرت داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کیا۔ تورات کے بیان کے مطابق داؤد جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اُن کے پاس گوپھیا ہوتا تھا جس کو گھما کر وہ پتھر پھینکتے تھے۔ وہ کہتے کہ جنگل میں اگر کوئی شیر آتا تو میں گوپھیے کے ساتھ پتھر مار کر اُس کا جبڑا توڑ دیتا ہوں۔ یعنی اُن کا نشانہ بے خطا تھا۔ چنانچہ جب لشکر آمنے سامنے آئے تو جالوت للکار رہا تھا کہ میرے مقابلے پر کون آئے گا! ادھر سب سہمے کھڑے تھے۔ کوئی مقابلے پر نہیں نکل رہا تھا۔ اتفاقاً داؤد اُدھر آ نکلے۔ صورت حال کو دیکھ کر کہنے لگے: میں اس غیر مختون کا مقابلہ کرتا ہوں۔ (غیر مختون اُن کے ہاں گالی تھی، کیونکہ ختنہ حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے اور مشرکوں اور کافروں کے ہاں ختنہ نہیں ہوتا تھا۔)

چنانچہ انہوں نے گوپھیے کو گھما کر پتھر پھینکا تو وہ سیدھا جالوت کی آنکھ کے سوراخ سے اُس کے بھیجے میں اتر گیا اور وہ گر کر ہلاک ہو گیا۔ اس طرح داؤد نے جالوت کو قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے مراتب بلند کئے۔ طالوت نے اپنی بیٹی کا نکاح داؤد سے کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو بادشاہت دی، حکمت اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اس کے علاوہ اور بھی جو کچھ چاہا اُسے سکھلایا۔

اور اگر اس طریقے سے اللہ ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ خود ایسی صورت پیدا کر دیتا ہے کہ مفسدوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ موسیٰؑ کے ذریعے فرعونیت کا خاتمہ کیا۔ اسی سے محاورہ بنا ہے: ''ہر فرعونے را موسیٰ''۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑا صاحب فضل ہے۔

یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپؐ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں حق کے ساتھ۔ یہ قول حضرت جبرئیلؑ کی طرف منسوب ہوگا۔ یوں مسلمانوں پر واضح کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرئیلؑ کے ذریعے احکامِ الٰہی تمہارے اوپر نازل کئے جا رہے ہیں جو تمہارے لئے ہدایت اور راہنمائی کا ذریعہ ہیں، اور اے محمدؐ! یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں۔ (یہاں دوسرا پارہ ختم ہو رہا ہے)

فرمانِ نبویؐ

چوہدری رحمت اللہ بٹر

جھوٹے دعوے کرنے والا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: ((مَنِ ادَّعٰی مَا لَیْسَ لَهٗ فَلَیْسَ مِنَّا وَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ))

(رواہ مسلم)

''حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا، آپ فرماتے تھے: ''جو کوئی کسی ایسی چیز پر دعویٰ کرے جو فی الحقیقت اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے (یعنی ہمارا آدمی اور ساتھی) نہیں ہے، اور اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے''۔ (صحیح مسلم)

خود کو مسلمان کہنے اور مسلمانوں میں شمار کرنے والے شخص کے لئے اس سے زیادہ سخت و شدید وعید کیا ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بارے میں فرما دیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے، ہماری جماعت سے خارج ہے اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اللہ کی پناہ!

مرکز مطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر 25/9/03
کے ماڈل ٹاؤن

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خودداری و خودمختاری کا واحد راستہ

پاکستان کے خلاف بھارت اسرائیل گٹھ جوڑ' وزیر اعظم اسرائیل کی دہلی یاترا اور اس موقع پر پاکستان کے ''مسئلے'' سے مشترکہ طور پر نمٹنے کا اعلان' امریکا کی آشیر باد سے بھارت کو اربوں ڈالر کے جدید ترین اسرائیلی اسلحے کی فراہمی کے معاہدے' امریکی نائب وزیر خارجہ کا نئی دہلی میں یہ بیان کہ پاکستان کشمیر میں دراندازی کر رہا ہے جو اُسے بند کر دینی چاہئے' اور یہ بیان کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکا بھارت کے ساتھ ہے' کشمیری مجاہدین کو کچلنے کے لئے 385 اسرائیلی کمانڈوز کی آمد' حریت کانفرنس میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش' فلسطینی لیڈر یاسر عرفات کو جلاوطن اور پھر قتل کرنے کی کھلی اسرائیلی دھمکیاں' امریکی سی آئی اے کی تازہ رپورٹ میں پاکستان پر ''القاعدہ'' کی تشکیل میں تعاون کا الزام' سعودی عرب کے حکمران خاندان کے افراد پر ''ورلڈ ٹریڈ سنٹر'' تباہ کرنے والے مبینہ ملزموں کو مالی تعاون فراہم کرنے کا امریکا کی جانب سے مسلسل پروپیگنڈا' ایران پر ایٹمی اسلحے کی تیاری کے الزام کا بار بار دہرایا جانا......

یہ سب ایسے کھلے اشارے ہیں' جن سے عالم اسلام کے بارے میں موجودہ وقت کی سامراجی طاقتوں کے عزائم واشگاف ہو گئے ہیں۔ یہ سمجھنا محض خوش فہمی ہے کہ یہ الزامات اور یہ رویے بعض غلط فہمیوں کا نتیجہ ہیں جن کو باہمی مذاکرات اور افہام و تفہیم سے دُور کیا جا سکتا ہے۔ فلسطین میں اسرائیل اور کشمیر میں بھارت جو کچھ کر رہے ہیں' یہ جانتے ہوئے کر رہے ہیں کہ وہ ظلم' لاقانونیت اور بے انصافی کے راستے پر ہیں اور انہوں نے کھلم کھلا فلسطینیوں اور کشمیریوں کے بنیادی انسانی حقوق تک سلب کر رکھے ہیں۔ اسی طرح افغانستان اور عراق میں جو کچھ ہو رہا ہے' وہ اِس حقیقت کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ مختلف حیلوں بہانوں سے مسلم دنیا کے وسائل پر قبضے اور اسے آزادی و خودمختاری سے محروم کر دینے کی ''دیرینہ سکیم'' پر عملی پروگرام شروع ہو چکا ہے۔

یہ ابھی کل کی بات ہے کہ افغانستان پر حملے کا جواز طالبان حکومت کی جانب سے ''گیارہ ستمبر'' کے واقعے کے مبینہ ملزم اسامہ بن لادن کو پناہ دینا بتایا گیا تھا اور اعلان کیا گیا تھا کہ امریکا کا واحد مقصد اسامہ کو زندہ یا مردہ گرفتار کرنا ہے' لیکن مواصلاتی سیاروں سے جاسوسی کے ذریعے دنیا کے چپے چپے کو چھان کر ایک سوئی تک ڈھونڈ نکالنے کی صلاحیت رکھنے والی طاقت دو سال بعد بھی اُس ایک شخص کا پتا لگانے سے قاصر ہے' جس کی تازہ ترین چلتی پھرتی ویڈیو فلمیں آئے دن' دنیا بھر کے ٹی وی چینلوں پر دکھائی جاتی رہتی ہیں۔ عراق کے معاملے میں تو امریکا برطانیہ نے پاکستان پر دباؤ ڈلوانے کے لئے بھارت کی ایک لاکھ فوج' (پارلیمنٹ کی عمارت پر خود ہی معمولی سا حملہ کرا کر) پاکستان کی پوری سرحدوں پر اُس وقت تک تعینات کرائے رکھی' جب تک افغانستان اور عراق پر (بزعمِ خود!) مکمل تسلط حاصل نہ ہو گیا۔

یہ تمام حقائق ثابت کر رہے ہیں اور تازہ ترین حالات کا رنگ بتا تا ہے کہ مستقبل کی بساط پر کیا ہونے والا ہے۔ اس صورتِ حال میں سامراجی طاقتوں اور عالمی برادری کو عدل و انصاف کے حوالے دے دے کر مسلمانانِ عالم کی طرف اپنے رویے کی اصلاح پر آمادہ کر لینا ممکن نہیں ہے۔ اب معاملہ اس نہج پر پہنچ چکا ہے کہ جب تک مسلم ممالک اپنی آزادی' خودمختاری اور سلامتی کی حفاظت خود کرنے کے قابل نہیں ہوں گے' اُس وقت تک اُن کی بقاء اور خودداری کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ اس لئے عالم اسلام کو اپنی مدد آپ کی راہ اختیار کرنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلم ممالک کو ہر قسم کے قدرتی و معدنی وسائل سے مالا مال کیا ہے۔ اُن کے پاس مختلف شعبوں کے اعلیٰ ماہرین اور افرادی قوت کی بھی کمی نہیں ہے۔ اگر مسلم ممالک کے قائدین اپنے غیر ملکی آقاؤں کی طرف دیکھنے کی بجائے آپس کے اتفاق' باہمی اتحاد و تعاون کی قوت سے اپنے مسائل خود حل کرنے پر توجہ دیں اور ایک دوسرے کے دست و بازو بن جائیں تو یقینی طور پر عالمِ اسلام حریص سامراجی طاقتوں کے لئے نرم نوالے کی بجائے لوہے کا چنا ثابت ہوگا۔ مسلم دنیا کے لئے باعزت آزاد اور غیرت مند زندگی کا ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے...... وحدت و اتحاد! (ادارہ)

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ندائے خلافت

شمارہ	25 ستمبر تا یکم اکتوبر 2003ء	جلد
35	۲۷ رجب تا ۴ شعبان ۱۴۲۴ھ	12

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر: حافظ عاکف سعید
مدیر (اشاعتِ خصوصی): سید قاسم محمود
نائب مدیر: فرقان دانش خان

مجلس ادارت
ڈاکٹر عبدالخالق۔ مرزا ایوب بیگ
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور
مقامِ اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
E-Mail:markaz@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ: 5 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

ندائے خلافت کا ''نظریۂ پاکستان نمبر'' پڑھنے کا موقع ملا۔ آپ کی محنت قابل داد ہے اور آپ کی نیت قابل تحسین۔ مبارک باد قبول فرمایئے! لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے سکولوں اور کالجوں میں مطالعۂ پاکستان کا مروجہ مضمون انتہائی ناقص اور نامکمل ہے۔ نہ تو اس میں مسلم ہندوستان کی تاریخ ہے نہ ہی نظریۂ پاکستان کا تفصیلی تذکرہ اور نہ ہی تحریک پاکستان کا مفصل ذکر ہے۔ یہ اسلامیانِ پاکستان کے خلاف بہت بڑی سازش ہے۔

(۱) فارسی زبان میں لفظ ہندو کے معنی ہیں: چور، لٹیرا اور غلام (بحوالہ علمی اردو لغت، صفحہ 1595) کسی لفظ کے معنی صدیوں میں تیار ہوتے ہیں۔ فارس یعنی ایران کے لوگوں کا صدیوں کا تجربہ یہ ہے کہ ہندو چور، لٹیرا اور غلام ہی ہوگا۔ آج ہر ہندو اسی ذہنیت کا مظہر ہے۔

(۲) ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ''اپنے آپ کو پہچانو اور دشمن کو جانو''! لیکن ہم لوگ نہ اپنے آپ کو جانتے ہیں اور نہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی دشمن کو پہچاننے کی سعی کرتے ہیں۔

ابھی کل ہی کی بات ہے کہ تقسیم ہند کے موقع پر سکھوں نے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتل عام بڑے منظم انداز میں کیا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں، لیکن ان میں سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سکھ کہتے تھے: (اُن کی تاریخ میں ایسا ہی لکھا ہے) مغل بادشاہ اورنگ زیب نے اُن کے آخری گورو گوبند سنگھ کے دو بیٹوں جوجھار سنگھ، عمر نو سال اور فتح سنگھ، عمر سات سال کو زندہ دیوار میں چنوا دیا تھا، کیونکہ وہ کلمہ نہیں پڑھتے تھے، حالانکہ قرآن میں ﴿لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ﴾ کا حکم ہے۔ یعنی دین میں جبر نہیں۔

ہم لوگ اپنی تاریخ سے آگاہ نہیں چہ جائیکہ ہم دوسروں کی تاریخ میں مغز ماری کرتے پھریں۔ لیکن ہمارے اس رویئے کا نقصان تو نئی نسلوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ (یہ اورنگ زیب عالمگیر کے کردار پر تہمت ہے)

(۳) آئندہ آپ ''تحریک پاکستان نمبر'' نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ آپ علماء کے کردار کا تذکرہ کریں، تھانوی گروپ کے علماء کے علاوہ بریلوی علماء کا ذکر بھی ضرور فرمائیں!

(۴) تحریک پاکستان کی مخالفت کرنے والی مسلم جماعتوں کا تذکرہ بھی ضرور ہونا چاہئے۔ غلبۂ اسلام کا نعرہ لگانے والے اور حکومت الٰہیہ کا پرچار کرنے والے پاکستان کا لفظ بھی سننے کو تیار نہ تھے، حالانکہ جمہوریت اکثریت کی حکومت کا نام ہے۔ متحدہ ہندوستان میں حکومت تو ہندو اکثریت کی ہونی تھی، پھر اُن کے یہ نعرے کیا معنی رکھتے تھے۔ نیز سرخ پوشوں کی چالوں کا ذکر بھی ہونا چاہئے۔ اُس وقت تقریباً سولہ مسلم سیاسی جماعتیں تھیں جو پاکستان کی مخالفت کر رہی تھیں۔

(۵) یونینسٹ پارٹی کا ذکر بھی اگر ہو جائے تو اچھا ہوگا۔ اگرچہ اس پارٹی نے پاکستان کی مخالفت کی، لیکن اس پارٹی نے (i) پنجاب میں مسلمانوں کو 60/40 کی نسبت سے ملازمتیں دلوائیں (ii) پنجاب کے مسلمان زمینداروں کو ہندو مہاجنوں کے قرضوں سے نجات دلوائی (iii) شاہی مسجد لاہور کی مرمت کروائی۔

(۶) پاکستان عطیۂ خداوندی ہے۔ جس کسی نے اس کی مخالفت کی ذلیل ہوا، جو کرے گا ذلیل ہوگا۔

(۷) میری تجویز ہے کہ آئندہ آپ ''کشمیر نمبر'' اور ''مسلم ہند میں ملت کے غدار نمبر'' بھی نکالیں۔

(چودھری نذیر احمد، فیصل آباد)

✿✿✿

بحمد اللہ ندائے خلافت کا 17 ستمبر 03ء کا شمارہ ایک عمدہ پیشکش ہے۔ اس سے قبل کا شمارہ ''نظریہ پاکستان نمبر'' بھی لائق تحسین تھا۔ اس کے مضامین ''اسلام کیا ہے؟'' صفحہ 9 اور صفحہ 58 ''ہندو مسلم دشمنی'' نیز ''مسلمانوں پر ہندو تہذیب کے اثرات'' صفحہ 40 کی فوٹو کاپیاں کرا کر ہم نے احباب کو ارسال کی ہیں۔ رب العالمین اسے ہدایت اور عمل کا باعث بنائے آمین!

ظفر اللہ خاں (وزیر خارجہ) کی وجہ سے قادیانیوں نے عروج پایا کہ صدر یا وزیر اعظم جہاں بھی جاتے، قادیانی ان کا استقبال کرنے میں پیش پیش ہوتے تھے۔ تل ابیب میں قادیانی مرکز کا قیام بھی اسی ظالم کا مرہون منت ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی کاوشوں کو بار آور فرمائے۔ عوام الناس ''تحریک ختم نبوت'' کو جو مجلس تحفظ ختم نبوت یا دیگر علماء نے جاری رکھی ہوئی ہے، سیاسی تحریک یا مولویوں کا شوشہ گردانے سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے کہ برطانیہ میں چندہ اکٹھا کرنے کے سوا یہ حضرات آج تک کچھ نہیں کر سکے، نہ حکومتی نمائندوں کو ان کے حربوں سے آشنا کرا سکے۔ 1974ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ان کی اہمیت کو اور زیادہ اجاگر کرایا اور کوئی تدارک ان کی سرگرمیوں کے بارے میں نہیں کیا۔ اگرچہ بہائی اور قادیانی صہیونیت کے اصل حامی ہیں۔ آپ جیسے باخبر شخص کو یہ لکھنا تو سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے۔ معذرت طلب ہوں۔ (ضمیر احمد بن یامین، مین بازار راج گڑھ لاہور)

✿✿✿

''نظریۂ پاکستان نمبر'' میں نہ صرف تمام مضامین نہایت اچھے ہیں بلکہ ریسرچ ورک بھی بہت متاثر کن ہے۔ بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ ندائے خلافت میں شائع ہونے والے مضامین کو ہم چند خواتین کا پیاں بنا کر مقامی مسجدوں اور خواتین کی محفلوں میں تقسیم کرتی رہتی ہیں۔ اس مرتبہ بھی ''نظریۂ پاکستان نمبر'' میں شائع ہونے والے نہایت دلچسپ بلکہ میرے نزدیک آنکھیں کھول دینے کے لائق مضمون ''مسلمانوں پر ہندو تہذیب کے اثرات'' کی تقسیم عمل میں لائی گئی۔ نیویارک میں یہ کام جس خاتون نے سرانجام دیا وہ گو تنظیم اسلامی کی ممبر نہیں ہیں، لیکن ایک سپورٹر کی حیثیت سے ندائے خلافت کی خوب تشہیر کرتی رہتی ہیں اور مذکورہ بالا مضمون نیویارک میں اس مرتبہ انہوں نے کافی بڑی تعداد میں خواتین تک پہنچایا ہے۔ اور یہ زیادہ تر ایسے لوگوں تک پہنچا ہے جو تنظیم میں نہیں ہیں۔ کل رات مجھے ہماری ایک سابقہ رفیقۂ تنظیم صبیحہ رحمٰن نے فون کر کے درخواست کی ہے کہ میں آپ کو جلد از جلد اس بڑی غلطی کی طرف متوجہ کروں جو اس مضمون میں غالباً آپ کے پروف ریڈر نے متعارف کرائی ہے۔ اس مضمون میں صفحہ نمبر 63 پر ''منگنی کی رسم'' کے عین اوپر عبارت کچھ یوں ہے: ''مسلمانانِ ہند کی معاشرت میں ذات پات کی تفریق کھلی ہوئی ہے جس کو اس لیئے بھی نہیں مٹایا جا سکا کہ خود اسلام میں فرقہ پرستی اور مسلک نوازی کی لعنت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔'' عاکف بھائی! ہم لوگ بہت پریشان ہیں کیونکہ اس کی کاپیاں نجانے کہاں کہاں پہنچ چکی ہوں گی! نجانے کس طرح پورا مضمون پڑھنے کے باوجود یہ عبارت گرفت میں نہیں آ سکی! اگر آپ آئندہ شمارے میں اس کی تصحیح فرما دیں تو ہم لوگوں کے اعتراض کے جواب میں وہ دکھا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے آپ سے یہ بھی کہنا ہے کہ اگر آپ کو پروف ریڈر کی ضرورت ہے تو میری خدمات حاضر ہیں، لیکن اس کے لئے آپ کو مجھے الیکٹرانک کاپی بھیجنا ہوگی۔ مطالعہ میرا جنون ہے۔ عاکف بھائی! آپ مجھے بصد شوق پروف ریڈنگ کا کام بھجوایئے!

(رعنا خان، شکاگو امریکا)

بہ سلسلہ ''افہام و تفہیم''

ایک ضروری وضاحت

''ندائے خلافت'' کے شمارہ 32 میں ''افہام و تفہیم'' سلسلے میں پہلے سوال کے جواب میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی وضاحت رپورٹر کی غلط فہمی سے صحیح طور پر ریکارڈ نہیں کی گئی۔ چنانچہ یہ سطور چھپ گئی ہیں کہ ''عورتیں نماز گھروں میں ادا کریں لیکن عورتوں کے لئے لازم ہے کہ وہ مسجدوں میں آئیں''۔ درحقیقت ڈاکٹر صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ عورتوں کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ مسجد میں خطبۂ جمعہ کی سماعت کے لئے آئیں۔ یہ نہیں کہا تھا کہ اُن کے لئے مسجد میں آنا لازمی ہے۔''

مخالفین کے جواب میں اہل حق کے لئے راہِ عمل

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کے 19 ستمبر 2003ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

قرآن حکیم اگرچہ عرب کے ایک خاص ماحول اور وقت میں نازل ہوا' اس کے اولین مخاطبین ایک مخصوص طبقے اور علاقے سے تعلق رکھنے والے عرب تھے' جن کے اپنے مخصوص عقائد' رسومات اور تصورات تھے' لیکن قرآن حکیم کا ایک اعجاز یہ ہے کہ یہ قیامت تک آنے والی پوری نوعِ انسانی کو مخاطب کرتا ہے۔ اہل عرب یہ محسوس کرتے تھے کہ یہ قرآن ان ہی کے لئے اترا ہے اور انہی سے مخاطب ہے' لیکن قرآن چونکہ ابدی رہنمائی ہے' اس لئے جب ہم اس میں غوطہ زنی کرتے ہوئے جو مسائل ہمیں آج درپیش ہیں' ان کا حل تلاش کرتے ہیں تو ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا حل اسی میں موجود ہے۔ اس کے ایک اعجاز کا پہلو یہ بھی ہے کہ ایک عام سطح کا انسان یعنی ایک کسان' ایک بدو اور ایک مزدور جب قرآن سنتا تھا تو محسوس کرتا تھا کہ یہ مجھ سے مخاطب ہے' اُسے اس کے پیغام کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی۔ تاہم اسی لمحے اگر کوئی بڑے سے بڑا دانشور اور فلسفی بھی اس پر غور کرے تو وہ کہہ اٹھے گا کہ یہ بات میرے لئے کہی گئی ہے اور اسے اس بحرِ زخار میں حکمت کے بے شمار موتی چھپے نظر آتے ہیں۔ یہ خوبی کسی انسانی تحریر میں نہیں ہو سکتی۔ عام سطح کے آدمیوں کے لئے لکھی گئی تحریر میں کسی فلسفی کے لئے کشش کا کوئی سامان نہیں ہو سکتا' جبکہ فلسفیوں اور دانشوروں کا کلام عام آدمیوں کے سر پر سے گزر جاتا ہے۔ یہ صرف قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ اس میں ہر ذہنی سطح کے انسان کے لئے ہدایت و رہنمائی کا سامان موجود ہے۔

آج ہمارے زیر مطالعہ سورۂ بنی اسرائیل کے چھٹے رکوع میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان آیات کے اصل مخاطب تو آنحضور ﷺ کے دور کے لوگ تھے' لیکن ان میں ابدی رہنمائی موجود ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب آنحضور ﷺ کو مکے کی گلیوں میں دعوت دیتے ہوئے بارہ تیرہ برس ہو چکے ہیں۔ اس معاشرے میں جو صاحب خیر تھے وہ آپؐ کے قریب آ چکے ہیں' باقی لوگ جنہوں نے انکار کیا' ان پر بھی حق منکشف ہو چکا ہے۔ ان کے انکار کا سبب یہ نہیں کہ بات سمجھ میں نہیں آئی' بلکہ ضد' ہٹ دھرمی' استکبار اور مفادات ہیں۔ اس پس منظر میں اہل حق الجھن کا شکار ہو کر اہل باطل سے الجھ سکتے تھے کہ ہدایت کا سورج نصف النہار پر چمک رہا ہے پھر تمہیں بات کیوں سمجھ نہیں آ رہی؟ چنانچہ ان کے لئے صحیح طرزِ عمل کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

''میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہی کہیں جو بہتر ہو' کیونکہ شیطان لوگوں میں فساد ڈلواتا ہے' بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے''۔

(آیت:53)

ان حالات میں مؤمنین کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ تمہیں صبر کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ ان کی کج بحثی اور ہٹ دھرمی پر تمہیں غصہ تو آئے گا' لیکن اپنے آپ کو سنبھال کر رکھو اور بات وہی کہو جو بہترین ہو۔ ان کی سطح پر اُتر کر انہیں جواب مت دو۔ یہ رہنمائی اگرچہ اُس دور کے لئے تھی' لیکن بعد میں آنے والے ہر دور میں بھی مسلمانوں ہی میں ایسے لوگ مل جائیں گے جو قرآن کی غلط تاویلات کر کے اپنی غلط روی کے لئے جواز تلاش کرتے ہیں۔ یا قرآن کے منکرین ہر دور میں ہو سکتے ہیں جو انکشافِ حق کے باوجود اس پر اعتراضات کریں گے۔ اسی طرح غلبہ و اقامت دین کے لئے جدوجہد کرنے والوں کی راہ میں ہر دور میں قدم قدم پر روڑے اٹکائے جاتے ہیں اور انہیں مشتعل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے' ان حالات میں اہل حق کے لئے رہنمائی ہے کہ وہ طیش میں نہ آئیں' کیونکہ شیطان ایسے موقع کی تاک میں ہوتا ہے کہ اہل ایمان کی زبان سے کوئی غلط بات نکلے اور مخالفین حق سے مزید دور ہو جائیں۔ لہٰذا' تمہیں ہر صورت میں اچھی بات کرنی ہے۔ اگر تم بھی اس سطح پر اتر آئے تو گویا تم نے شیطان کے عزائم کو پورا کرنے کی راہ ہموار کی۔

سورۂ حم السجدہ میں یہی بات بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ اگر تم نے برائی کا بدلہ اچھائی سے دیا تو تمہارے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شخص جو آج تمہارا دشمن ہے کل تمہارا گرم جوش دوست اور حامی بن جائے گا۔

البتہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ انقلاب کے مرحلۂ دعوت میں تو اسی اصول پر عمل ہوگا کہ مخالفین کی گالیوں پر صبر کیا جائے' ان کی طرف سے آنے والی اینٹ کے جواب میں انہیں پھول پیش کئے جائیں' لیکن جب اہل حق تنظیم اور تربیت کے مراحل کی بھٹی سے گزر چکے ہوں اور وہ اتنی تعداد میں ہوں کہ باطل کو چیلنج کر کے نظامِ باطل کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی پوزیشن میں ہوں تو اب انہیں اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہوگا تاکہ انسانیت کو نظامِ باطل کے چنگل سے نجات دلائی جا سکے۔ تاہم یہ اصول اپنی جگہ اس وقت بھی موجود رہے گا کہ آپ باطل سے پنجہ آزمائی کے لئے اس کے سامنے آ جائیں تب بھی زبان سے کلمہ خیر ہی جاری ہونا چاہئے۔ یہ اہل حق کے لئے قیامت تک کی رہنمائی ہے تاکہ شیطان کے ہتھکنڈوں سے محفوظ رہ سکیں' کیونکہ شیطان انسانیت کا کھلا دشمن ہے۔ وہ صرف اہلِ باطل ہی کو حق سے دور نہیں رکھتا بلکہ اہل حق کو بھی راہِ حق سے بچلانے کے لئے ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے جب وہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں۔ سورۂ حم السجدہ ہی میں اس ضمن میں مزید رہنمائی ہے کہ اہل حق کو اگر شیطان کی چوک لگ ہی جائے تو انہیں فوراً اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہئے اور استغفار کر کے فوراً اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لینی چاہئے۔

آگے فرمایا:

''تمہارا رب تمہارے حال سے خوب واقف ہے' وہ چاہے تو تم پر رحم کرے اور چاہے تو عذاب دے' اور (اے نبیؐ!) ہم نے آپ کو ان پر وکیل بنا کر نہیں بھیجا''۔ (آیت:54)

اس میں اہل ایمان کے لئے تسلی ہے کہ اگر یہ تمہارے بار بار سمجھانے پر بھی راہ راست پر آنے کو تیار نہیں تو تم ان کے بارے میں زیادہ پریشان نہ ہو۔ کسے اللہ نے ہدایت دینی ہے اور کس کے لئے عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے' یہ اس کے فیصلے ہیں۔ تمہارا کام دعوتِ حق پہنچا دینا اور اتمام حجت کر دینا ہے۔ اس سے آگے تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ مزید فرمایا:

''اور زمین اور آسمانوں میں جو مخلوقات ہیں آپ کا رب ان سب سے خوب واقف ہے' اور ہم نے بعض نبیوں کو دوسروں پر فضیلت دی اور داؤدؑ کو ہم نے زبور

عطا کی"۔(آیت:55)

اللہ تعالیٰ سے آسمانوں اور زمین کی کوئی شے چھپی ہوئی نہیں ہے' ہر شے ہر آن اس کے سامنے موجود ہے۔ کوئی پتہ بھی زمین پر نہیں گرتا مگر یہ کہ وہ اس کے علم میں ہوتا ہے۔

دراصل یہاں بین السطور میں یہ بات چل رہی ہے کہ کس کو نبوت دینی ہے' کس کو رسالت کا منصب دینا ہے' کس کو کس پر فضیلت دینی ہے' یہ فیصلہ بھی اللہ کا ہے' اور وہ یہ فیصلہ اپنے علم کامل کی بنیاد پر کرتا ہے۔ مشرکین کو اعتراض تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ اور طائف کی وادیوں میں رہنے والے بڑے بڑے سرداروں میں سے کسی کو نبوت کے لئے کیوں منتخب نہیں کیا' حضرت محمد (ﷺ) جو دنیوی اعتبار سے صاحب حیثیت نہیں' انہیں یہ منصب کیوں عطا ہو گیا؟ اسی طرح بنی اسرائیل کو یہ شکایت تھی کہ آخری نبی ہمارے ہاں کیوں نہیں آیا۔ یہ فضیلت ہم سے کیوں چھین لی گئی۔ یہاں گویا اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ اللہ کا اختیار ہے اور اس کا علم کامل ہے جس کی بنیاد پر وہ یہ فیصلے کرتا ہے۔ نبیوں اور رسولوں میں سے اگر اس نے کسی کو کسی پر کوئی فضیلت دی ہے تو یہ بھی اس کا فیصلہ ہے' جیسے اس نے داؤدؑ کو زبور ایسی کتاب دے کر ایک اعتبار سے فضیلت عطا کر دی۔ اسی طرح ایک اعتبار سے موسیٰؑ کو فضیلت عطا کی تو دوسرے اعتبار سے حضرت عیسیٰؑ کو فضیلت عطا کر دی' اگرچہ فضیلت مطلقہ تو آنحضور ﷺ کو حاصل ہے جنہیں الہدیٰ یعنی قرآن اور دین حق یعنی نظام عدل اجتماعی جیسے عظیم تحفے عطا فرمائے گئے۔

حسن یوسف' دم عیسیٰ" ید بیضا داری!
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

یہ سب اللہ کا فیصلہ ہے' تمہیں اس پر کڑھنے کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ تم اپنی اس ذمہ داری کو ادا کرو جو تم پر عائد کی گئی ہے۔

اگلی آیت میں مشرکین عرب سے خطاب ہے۔ فرمایا:

"(اے نبیؐ! ان سے) کہہ دیجئے کہ تم پکار دیکھو ان (معبودوں) کو جن کو تم اللہ کے سوا (اپنا کارساز) سمجھتے ہو' وہ نہ تم سے کسی تکلیف کو نہ ہٹا سکتے ہیں' نہ بدل سکتے ہیں۔ اور جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے قرب کے حصول کے لئے وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ کون اُس سے قریب تر ہو جائے اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کی چیز۔"

(آیت: 56-57)

مشرکین عرب نے جن ہستیوں کے بت بنا کر رکھے تھے وہ کون تھیں؟ وہ فرشتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جو اللہ کی محبوب ہیں۔ ان کو پوجتے تھے کہ یہ انہیں اللہ سے قریب کر دیں گے۔ اسی طرح بعض لوگ جنات کو پوجتے تھے۔ یہی نہیں' بلکہ یہود نے بھی حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا تھا' جبکہ نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا صلبی بیٹا کہتے ہیں اور الوہیت میں ان کو شامل کر کے ان کی بندگی کرتے ہیں۔ اس لئے فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کے سوا تم جنہیں پکارتے ہو وہ تو خود اللہ کی رحمت کے متلاشی ہیں۔ وہ تمہاری حاجت روائی پر قادر نہیں۔ ان کی تو یہ کیفیت تھی کہ وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے تھے اور اس کے قرب کے حصول کے لئے بندگی میں آگے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ تم نے ان کے اس طرز عمل کی پیروی کرنے کے بجائے ان ہی کی بندگی شروع کر دی۔ یہ بات تمہیں اللہ کے عذاب کا مستحق بنانے کے لئے کافی ہے۔

آگے فرمایا:

"کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کر دیں' یا سخت عذاب نہ دیں۔ یہ بات کتاب میں لکھی جا چکی ہے"۔(آیت: 58)

اللہ کی سنت یہ رہی ہے کہ جب کسی بستی میں رسول بھیجا جائے اور رسول کی دعوت کے نتیجے میں اتمام حجت کے بعد بستی والے بحیثیت مجموعی اس رسول کی تکذیب کر دیں تو ان پر اللہ کا عذاب استیصال لازماً آ کر رہتا ہے اور ان کا نام و نشان مٹا دیا جاتا ہے۔ یہ گویا اہل مکہ سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم نے بھی حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کی تو تم بھی بچ نہیں سکو گے۔ اسی حوالے سے مزید فرمایا:

"اور ہمیں جو بات معجزے بھیجنے سے روکتی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے لوگ انہیں جھٹلا چکے ہیں۔ اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی کا واضح معجزہ دیا تھا تو انہوں نے اس پر ظلم کیا۔ ہم تو معجزے صرف ڈرانے کی خاطر بھیجتے ہیں۔"(آیت: 59)

مشرکین عرب آنحضور ﷺ سے مطالبے کرتے تھے کہ فلاں معجزہ دکھایئے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ لیکن اللہ نے حضور اکرم ﷺ کی قوم کے لئے قرآن ہی کو معجزے کے طور پر پیش کیا ہے۔ جس میں ہدایت کی طلب موجود ہے اس کے لئے یہ قرآن کافی ہے۔ اگر کوئی ڈھیٹ بنا ہوا ہے تو بڑے سے بڑا معجزہ بھی اس کی آنکھ نہیں کھول سکتا۔ قرآن حکیم کے دوسرے مقامات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ طے کر رکھا تھا کہ اہل عرب کو حسی معجزہ نہیں دکھانا۔ کیونکہ اللہ کی یہ سنت ہے کہ کسی قوم کے مطالبے پر اگر معجزہ دکھایا جائے اور وہ ایمان نہ لائے تو پھر اس پر عذاب ہلاکت مسلط کر دیا جاتا ہے۔ یہی بات اس آیہ مبارکہ میں بیان ہو رہی ہے کہ معجزہ نہ دکھانے کا سبب یہ ہے کہ جس نے ایمان نہیں لانا وہ معجزہ دیکھ کر بھی ہٹ دھرمی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ پچھلی قوموں کو ان کے مطالبے پر معجزے دکھائے گئے' مگر انہوں نے ایمان نہ لانا تھا نہ لائے' قوم ثمود کے مطالبے پر بھی اللہ نے چٹان سے گابھن اونٹنی پیدا کر کے دکھا دی تھی' مگر وہ پھر بھی ایمان نہ لائے' بلکہ انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا اور بالآخر اللہ کے غضب کا نشانہ بن گئے۔ گویا معجزہ دکھانا ایک طرح سے اتمام حجت کے لئے ہوتا ہے۔

آگے فرمایا:

"اور (اے نبیؐ! یاد کرو) جب ہم نے آپؐ سے کہا کہ آپؐ کا رب لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے' اور یہ جو کچھ (واقعہ معراج) ہم نے آپؐ کو دکھایا اس کو اور اس درخت کو جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے' لوگوں کے لئے ایک آزمائش بنا دیا۔ ہم تو انہیں ان چیزوں کے ذریعے ڈراتے (خبردار کرتے) ہیں مگر یہ بات بھی ان کی سرکشی ہی میں اضافہ کرتی ہے۔"(آیت: 60)

اس آیت میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ ایک یہ کہ بظاہر کفار نے مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا' لیکن قرآن کہہ رہا ہے کہ اللہ ان کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا کفار نے بڑا مذاق اڑایا کہ حالات تو ان مسلمانوں پر تنگ ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ اللہ ہمیں گھیرے ہوئے ہے۔ دراصل اللہ کو معلوم تھا کہ کچھ دنوں بعد مسلمان غالب آئیں گے اور کفار کو ان کے کئے کی سزا مل کر رہے گی۔ دوسری بات یہ کہ واقعہ معراج پر کفار نے بڑے اعتراضات کئے۔ اور تیسری چیز یہ کہ سورۂ دخان میں ایک درخت کا ذکر ہے جو جہنمیوں کی خوراک ہوگا اور وہ جہنم کی جڑ سے اُگتا ہے۔ اس پر بھی سرداران قریش نے منفی پروپیگنڈا کیا کہ یہ کیا بات ہوئی' بھلا آگ میں کوئی درخت اُگ سکتا ہے؟ وغیرہ۔

تو واضح فرما دیا گیا کہ یہ ساری چیزیں دراصل لوگوں کو جانچنے کے لئے ہیں۔ اہل حق کا ایمان ان باتوں سے مزید نکھرتا ہے' جبکہ کفار کی سرکشی اور طغیانی ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔

اگلی آیات میں قصۂ آدم و ابلیس کا ذکر ہے۔ اس قصے کا پچھلی آیات سے بڑا گہرا ربط ہے۔ یعنی اتمام حجت کے باوجود اگر سرداران قریش اور علمائے یہود مان کر نہیں دے رہے تو وہ دراصل ابلیسی کردار کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ شیطان کا معاملہ بھی یہی تھا کہ اس نے استکبار اور ہٹ دھرمی کی بناء پر حکم عدولی کی اور راندۂ درگاہ ٹھہرا۔ ان آیات کا ہم ان شاء اللہ آئندہ جمعہ تفصیلی مطالعہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اہل حق میں شامل کرے اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

(مرتب: فرقان دانش خان)

سادگی اپنوں کی دیکھ

مرزا ایوب بیگ

اردو کے ایک بڑے اخبار کے ممتاز کالم نویس جو 11 ستمبر کے سانحہ کے بعد صدر مشرف کے طالبان کے حوالہ سے یوٹرن لینے کے زبردست سپورٹر ہیں۔ اس سانحہ کی دوسری برسی کے موقع پر انہوں نے اپنے کالم میں اپنے سابقہ مؤقف کا اعادہ کرتے ہوئے دو نکات بڑے زوردار انداز میں ایک بار پھر پیش کئے ہیں اول یہ کہ امریکہ کے مطالبات تسلیم کرنے اور دہشت گردی کے خلاف امریکہ کا اتحادی بننے کا مشرف کا فیصلہ بالکل درست تھا اور مشرف کی جگہ کوئی بھی حکمران ہوتا' یہی فیصلہ کرتا۔ دوسرا کوئی آپشن سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ دوم یہ کہ طالبان نے اسامہ کو امریکہ کے حوالہ نہ کر کے اپنی تباہی کو خود دعوت دی۔ ملاّ عمر کی حکومت صورتِ حال کا صحیح ادراک نہ کر سکی۔ اس نے ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا۔ اگر طالبان حکومت اسامہ کو امریکہ کے حوالے کر دیتی تو نہ صرف افغانستان تباہی سے بچ جاتا بلکہ طالبان حکومت بھی محفوظ رہ جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب سے ہم طالبان کے خلاف امریکہ کے اتحادی بنے ہیں اور جب طالبان حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ تباہ ہو جائیں گے' مگر اپنے مہمان کو امریکہ کے حوالے نہیں کریں گے کیونکہ امریکہ نے اسامہ کے خلاف کوئی ثبوت نہیں دیا' اس وقت سے ان دونوں نکات پر بحث جاری ہے۔ موافق اور مخالف دلائل دیئے جا رہے ہیں۔

جہاں تک پہلے نکتے کا تعلق ہے' وقت کے گزرنے کے ساتھ کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوا۔ لہٰذا موافقین اور مخالفین دونوں کا حق ہے کہ وہ اپنے اپنے مؤقف پر قائم رہیں لیکن جہاں تک دوسرے نکتے کا تعلق ہے' وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ امریکہ شروع ہی سے بدنیت تھا۔ وہ حملہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اسامہ اسے سرے سے مطلوب تھا ہی نہیں۔ اصل مسئلہ اپنے مفادات کے حوالہ سے اس علاقہ پر عسکری تسلط تھا۔ اس کے لئے اس نے عذر لنگ کا سہارا لیا بلکہ اب تو یہ باتیں بھی سامنے آ رہی ہیں اور خود مغرب کا پریس اور دانشور انکشاف کر رہے ہیں کہ سانحہ 11 ستمبر ایک ڈرامہ تھا جس کے ڈائریکٹرز خود امریکی انتظامیہ کے بعض اعلیٰ عہدے داران تھے۔ بہرحال قطع نظر اس کے کہ یہ الزام درست ہے یا غلط' راقم السطور معزز کالم نویس کے دوسرے نکتے کا تجزیہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ اگر طالبان اسامہ کو امریکہ کے حوالے کر دیتے تو امریکہ افغانستان پر حملہ نہ کرتا۔ میری رائے میں عراق پر امریکی حملے کے بعد اس مؤقف پر اصرار بذات خود ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ ہے۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے ٹاورز ابھی پوری طرح زمین بوس بھی نہیں ہوئے تھے کہ الیکٹرونک میڈیا نے اسامہ بن لادن پر فرد جرم عائد کر دی تھی۔ امریکی صدر بش اور دوسرے اعلیٰ عہدہ داروں نے اسامہ اور طالبان کے خلاف غضب ناک بیانات جاری کرنے شروع کر دیئے تھے۔ امریکہ نے واضح طور پر یہ اعلان کیا کہ وہ کسی قسم کے مذاکرات نہیں کرے گا ہمارا صرف ایک مطالبہ ہے اور وہ فوری طور پر پورا ہونا چاہئے' وہ یہ کہ اسامہ بن لادن کو ہمارے حوالہ کیا جائے۔ ایک آزاد خود مختار ملک کی بااصول اور باغیرت قیادت کا یہ جواب فطری تھا کہ اس شخص کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہیں کئے گئے ہیں۔ اگر کوئی ثبوت ہیں تو ہمیں مہیا کئے جائیں۔ ہم خود مقدمہ قائم کریں گے یا مقدمے کے لئے کسی مسلمان ملک کے حوالے کر دیں گے۔ پاکستانی قیادت طالبان کو صرف ایک بات سمجھاتی رہی' وہ یہ کہ امریکہ بہت بڑی طاقت ہے۔ وہ آپ تباہ و برباد کر دے گی۔ طالبان کا جواب تھا کہ امریکہ بہت بڑی قوت ہو گی' مگر اس میں سچائی نہیں ہے اور محض الزام لگا دینے پر ہم اسامہ کو امریکہ کے حوالے نہیں کر سکتے۔ انہوں نے وسیع تر مشاورت کے لئے ملک بھر سے ایک ہزار علماء کرام کو جمع کیا۔ وہ تین روز تک انفرادی اور اجتماعی مشورے کرتے رہے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اسامہ سے کہہ دیا جائے کہ وہ خود اپنے تئیں فیصلہ کر کے افغانستان سے نکل جائیں' اور جہاں چاہیں چلے جائیں۔ ملاعمر کی حکومت نے اسامہ سے ایسا نہیں کہا۔

یہ ہے وہ نکتہ جس پر مخالفینِ طالبان قیامت کھڑی کرتے ہیں کہ خود ملاعمر کی حکومت نے ان لوگوں سے مشورہ چاہا اور پھر خود ہی اس مشورہ کو رد کر دیا۔ لیکن اس دوران میں ہونے والے وہ امریکی طرزِ عمل کو دانستہ یا نادانستہ طور پر فراموش کرتے ہیں یہ طرزِ عمل حقیقتاً امریکہ کی بدنیتی کا غماز تھا کہ وہ بہرصورت افغانستان پر حملہ کرے گا' خواہ اسامہ بن لادن کو طشتری میں رکھ کر امریکہ کو پیش کر دیا جائے۔ امریکہ نے علماء کے اس مشورے کے سامنے آنے پر یہ خوف محسوس کیا تھا کہ شاید طالبان اسامہ کو اس کے حوالے کر دیں گے اور اس کا پلان دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ لہٰذا علماء کا مشورہ سامنے آنے پر معمولی سا وقت ضائع کئے بغیر وائٹ ہاؤس کے ترجمان نے حملہ نہ کرنے کے لئے چار مزید شرائط پیش کر دیں جو انتہائی توہین آمیز اور رسوا کن تھیں اور ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ہمیں یہ یقین دہانی فراہم کرائی جائے کہ افغانستان سے القاعدہ کا نیٹ ورک مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے اور ہمیں اجازت ہو گی کہ ہم چیکنگ کر سکیں کہ ایسا واقعی ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ افغانستان امریکہ کو تا قیامت یقین دہانی نہیں کرا سکتا تھا کہ اس نے القاعدہ کا نیٹ ورک ختم کر دیا ہے' خواہ وہ اس کے لئے مخلصانہ کوشش بھی کرتا۔ یہ محض الزام نہیں ہے بلکہ عراق وار سے پہلے جو کچھ اس نے کیا' وہ اس کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ عراق اور افغانستان پر امریکہ نے جس انداز میں جنگ مسلط کی' وہ ظاہر کرتا ہے کہ امریکی اور یہودی مفاد میں پہلے کچھ فیصلے کر لئے جاتے ہیں۔ پھر ان کے لئے مختلف عذر تراشے جاتے ہیں۔ جو عذر بھی بنیاد بن سکے اس کو جواز بنا کر ان اٹل فیصلوں پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ عراق پر اولاً امریکہ نے یہ الزام لگایا کہ اس کے پاس وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار ہیں جس سے نہ صرف علاقے کی سلامتی کو خطرہ ہے بلکہ عالمی امن اور خصوصاً امریکہ کو خطرات لاحق ہیں۔ سلامتی کونسل کے انسپکٹروں نے عراق کا کونا کونا چھان مارا اور یہ واضح رپورٹ دی کہ عراق کے پاس ایسے ہتھیاروں کا سراغ نہیں لگایا جا سکا۔ امریکہ کے الزامات غلط ہیں۔ امریکہ یہ ماننے کو تیار نہ ہوا۔ سلامتی کونسل سے مختلف قراردادیں منظور کروائی گئیں امریکہ کو بڑی امید تھی کہ صدام حسین کسی نہ کسی قرارداد پر لبیک کہنے سے انکار کر دے گا اور اسے جواز مہیا ہو جائے گا لیکن صدام حسین جسے اپنی جان اور اپنا اقتدار ہر شے سے زیادہ عزیز تھا' اس کا ہر مطالبہ مانتا چلا گیا' لہٰذا مجبوراً ایک اور عذر تراشا کہ صدام حسین ظالم ہے۔ وہ عراقی عوام پر بہت ظلم ڈھاتا ہے' لہٰذا ہم پر فرض ہے کہ ہم عراقی عوام کو آزادی دلائیں' خواہ ہمیں اس کے لئے جنگ لڑنی پڑے۔ صدام یقیناً ایک ظالم

⇦

انسان تھا اور ہزاروں انسانوں کا قاتل بھی ہوگا لیکن امریکہ کو کس نے حق دیا تھا کہ ظالم صدام سے عراق عوام کو نجات دلانے کے لئے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادے اور بے گناہ عوام کو سمارٹ بموں کا نشانہ بنائے۔ عراق کے خلاف کارروائی کے لئے جب مختلف عذر تراشے گئے تو ان میں سے آخری یہ تھا کہ صدام عراق سے بمع خاندان نکل جائے۔ اس پر صدام کی طرف سے انکار کیا گیا لیکن جب عرب ممالک نے صدام پر دباؤ ڈالا اور آثار یہ پیدا ہوئے کہ شاید وہ یہ شرط بھی مان لے تو امریکہ نے فوری طور پر یہ اضافہ کر دیا کہ صدام جلا وطن ہو جائے اور امریکی افواج جو عراق کی سرحد پر جمع ہو چکی ہیں انہیں پر امن طریقے سے بغداد میں داخل ہونے دیا جائے یعنی عسکری موجودگی کے فیصلے پر ہر قیمت پر عمل درآمد ہوگا۔ بہرحال امریکہ نے سلامتی کونسل کو جوتی کی نوک پر رکھا یہاں تک کہ یورپ تقسیم ہو گیا۔ جرمنی اور فرانس نے عراق پر حملہ کی شدید مخالفت کی لیکن امریکہ ان منصوبوں پر کئی سال پہلے فیصلہ کر چکا تھا۔

مذکورہ بالا دلائل کے جواب میں مخالفین طالبان یہ کہتے ہیں کہ طالبان اسامہ کو امریکہ کے حوالے کر دیتے پھر بھی اگر امریکہ افغانستان پر حملہ کرتا تو کم از کم ننگا تو ہو جاتا۔ عراق وار کے حوالہ سے یہ سب کچھ بھی واضح ہو گیا کہ اخلاقی قدریں امریکہ کے نزدیک کتنی وقعت رکھتی ہیں اور اقوام متحدہ کو اس نے کیونکر اپنے مفادات کے حصول کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ جب فرانس اور جرمنی اس کے عزائم کے راستے میں حائل ہوئے تو اس نے نئی سلامتی کونسل اور اس کے نئے اصول وضع کرنے کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا۔ وہ تو یوں کہئے کہ جنگ اور فتح کے بعد جب عراق کمبل بن کر چمٹ گیا اور جان کا روگ بن گیا تو پھر اقوام متحدہ یاد آ گئی۔ لہٰذا امریکہ کے اس طرز عمل کے پس منظر میں اگر طالبان اسامہ کو امریکہ کے حوالے کر دیتے نہ دین کے رہتے نہ دنیا کے۔ آج تو پھر ان کے پاس اخلاقی قوت ہے۔ وہ بااصول اور باغیرت ہونے کا دعویٰ بھی کر سکتے ہیں اور پوری عالمی برادری ان کی اصول پسندی اور غیرت مندی کو بہ نظر تحسین دیکھتی ہے۔

"خطباتِ خلافت"

داعی تحریک خلافت پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد کے چار خطبات کا مجموعہ

سفید کاغذ عمدہ طباعت صفحات ۲۱۲ قیمت (اشاعت عام): ۴۵ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

دعوت فکر و عمل

اذان ہائے نیم شبی

جمعہ 9 فروری 1990ء کی رات متحدہ عرب امارات میں لوگ آٹھ بجے عشاء کی نماز ادا کر کے گھروں کو آ گئے تھے لیکن رات کے دس بجے یکا یک فضا میں اللہ اکبر کی آواز بلند ہوئی اور یکے بعد دیگرے شہر کی تمام مساجد سے اذانوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ میں بحیثیت ایک پاکستانی مسلمان ششدر تھا' کہ یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟ اسی تجسس کے عالم میں بھی قریبی مسجد میں پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد بغیر اقامت کے جماعت کھڑی ہو گئی۔ یہ نماز بھی بقیہ نمازوں سے کچھ مختلف تھی پہلی رکعت میں امام صاحب نے رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد دوبارہ فاتحہ شریف اور قرات پڑھی اور پھر رکوع میں گئے اور دوسری رکعت بھی اسی طرح ادا کی' یعنی ہر رکعت میں دو قیام اور دو رکوع ادا کئے۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام صاحب نے عربی میں خطبہ دیا کہ یہ نماز کسوف سنت نبوی ہے اور جب بھی چاند گرہن یا سورج گرہن لگتا' تو حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کو مسجد میں جمع کر کے نماز خسوف و کسوف ادا فرماتے' کیونکہ چاند اور سورج کی یہ دونوں حالتیں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اور ان وقتوں میں نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنی چاہئے۔ اگرچہ اس دور میں ہم ان حالتوں کے ظاہری اسباب پر ہی غور کرتے رہتے ہیں اور نظر اس سے آگے نہیں جاتی حالانکہ ـ

سحر و شام کے محسوس حوادث سے وراء
ایک ہنگامہ پسِ ارض و سما اور بپا ہے

اس لئے موجودہ سائنس ہمیں اگر محسوسات و اسباب کی خبر دیتی ہے' تو حدیث شریف میں ہنگامۂ پسِ ارض و سما کی خبر ہے کہ جہاں ایک مدبر ارض و سما جلوہ افروز ہے۔

(مرسلہ: ابنِ اسلام)

صدر جنرل پرویز مشرف مغالطے میں نہ رہیں!

پاکستان کا استحکام ہی نہیں، محض بقا بھی

قیامِ نظامِ خلافت پر منحصر ہے!

بلکہ اصولی اور دستوری اعتبار سے پاکستان میں نظام خلافت ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو **قراردادِ مقاصد** کی صورت میں نافذ ہو چکا ہے اب صرف اس کی تعمیل و تکمیل باقی ہے!

—— واضح رہے کہ خلافت سے مراد ——

اللہ تعالیٰ کو حاکم مطلق تسلیم کرتے ہوئے حکومت کو ایک مقدس امانت کے طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات و تعلیمات کے مطابق چلانا ہے!

- نظام خلافت ہی ہر سطح پر عدل و انصاف اور حقوق انسانی کے تحفظ کا ضامن ہے۔
- شورائیت کی بنیاد پر چلنے والا یہ نظام ہی اعلیٰ ترین جمہوری روایات کا امین ہے۔
- نظام خلافت ہی نے دنیا کو کفالتِ عامہ کے تصور سے روشناس کرایا جو ہر شہری کی بنیادی ضروریات فراہم کرنے کا ذمہ دار ہے۔
- اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نظام خلافت کے قیام سے ہی اللہ کی مدد اور رحمت ہمیں حاصل ہو سکے گی جس کے بغیر ہم امریکہ کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہیں۔

تنظیم اسلامی پاکستان
(6316638.6366638

انسانی تاریخ کا سب سے بڑا دھوکا

* یہ 1985ء کی دہائی کی بات ہے' عالم اسلام کے قلب میں واقع جب عرب اسلامی ممالک نے امریکہ و یورپ کے یہود و نصاریٰ کو عرب اسرائیل جنگ (جس کو درحقیقت مسلم یہود جنگ کہنا چاہئے) کے بعد تیل کی برآمد روک دی تو امریکیوں نے ایک نئی چال چلی۔ انہوں نے پہلے شاہ فیصل کو راستے سے ہٹایا۔ پھر تیل برآمد کرنے والے ممالک کی ایک تنظیم ''اوپیک'' بنا دی۔ اس کے ذریعے انہوں نے تیل کے اخراج اور سپلائی کا کوٹہ مقرر کر کے قانونِ رسد و طلب کا استعمال کرتے ہوئے تیل کی قیمت پر مکمل کنٹرول حاصل کیا۔ یہ کنٹرول ایسی اجارہ داری کی صورت اختیار کر گیا کہ اس دن سے آج تک وہ اپنی من مانی قیمتیں مقرر کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اسے دنیا کا آٹھواں عجوبہ قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ 1985ء کے بعد دو دہائیوں میں ہر چیز کی قیمت کئی گنا بڑھ گئی ہے' لیکن مسلم عرب ممالک کے پٹرول کی قیمت بڑھنے کی بجائے معکوس سمت میں سفر کرتے ہوئے تین گنا کم ہو کر 9 ڈالر فی بیرل تک گر گئی ہے' جبکہ پٹرول وہ چیز ہے جس پر آج کل کی مشینی زندگی کی تمام صنعت و تجارت' زراعت و باغبانی اور حمل و نقل غرضیکہ ساری معیشت کا دارومدار ہے' قیمتوں کی اس الٹی سمت میں سفر کی واحد وجہ یہ ہے کہ اس دولت کے مالک مسلمان ہیں جنہوں نے خود اپنی شاہ رگ کفار کے انگوٹھے تلے دے رکھی ہے اور خریدار یہود و نصاریٰ ہیں جو مسلم دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے' وہ اس لوٹ کے مال کو ہتھیانے میں کیسے سستی دکھا سکتے ہیں۔

چنانچہ اس عرصے میں پٹرول کی قیمت کم ہوتی گئی اور جو چیزیں اس کی مدد سے تیار ہوتی ہیں' ان کی قیمت چار گنا بڑھ گئی۔ اب اگر ہم بالفرض پٹرول کی قیمت چار گنا بڑھا دیں جبکہ اس کی اصل قیمت وہی 36 ڈالر فی بیرل رکھیں جو شروع میں تھی (یعنی 1980ء میں) تو فی بیرل 144 ڈالر بنیں گے۔ امریکہ اور اس کے حلیف چور اور غاصب ممالک آج کل ایک بیرل 9 ڈالر میں خرید رہے ہیں۔ 144 میں سے 9 منہا کئے جائیں تو چوری اور خسارے کا حجم 135 ڈالر فی بیرل بنتا ہے۔ تیل برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم ''اوپیک'' میں شامل مسلم ممالک 25 ملین بیرل یومیہ اخراج کرتے ہیں' اور اوپیک سے خارج ممالک 5 ملین بیرل یومیہ نکالتے ہیں' اس لحاظ سے مسلم ممالک کی کل پیداوار 30 ملین بیرل یومیہ بنی' اس مقدار کو یومیہ خسارے سے ضرب دیا جائے جو کہ 135 ڈالر ہے' تو اسکی مقدار 4050 ملین ڈالر روزانہ بنی یہ اتنی بڑی چوری ہے کہ انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس چوری کے حجم اور کثرت کو اس طرح سمجھئے کہ یہ رقم سوڈان کے تین کروڑ عوام کے چار سالہ اخراجات کے لئے کافی ہے۔ اور شمالی اور جنوبی یمن کے دو سال کا بجٹ اس سے پورا ہو سکتا ہے۔ اب ذرا آگے چلتے ہیں' یومیہ چوری کی اس مقدار کو سامنے رکھ کر اگر ہم چوری کی سالانہ رقم معلوم کرنا چاہیں تو 4050 ملین ڈالر کو سال کے 365 ایام سے ضرب دیں تو جواب 147825 ملین ڈالر آتا ہے۔ پھر اس لوٹ مار کا سلسلہ چونکہ ربع صدی سے جاری ہے' اس لئے اس رقم کا اگر 25 برسوں کا حساب لگائیں تو 3695625 ٹریلین ڈالرز کے ہوشربا ہندسے سامنے آتے ہیں۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ اس افسوسناک ڈاکے اور بے رحمانہ لوٹ مار کی یہ تفصیل صرف پٹرول کے حساب سے بنتی ہے۔ دوسری قیمتی معدنیات کو اس میں شمار نہیں کیا گیا۔

اتنی بڑی رقم کو اگر روئے زمین پر موجود مسلمانوں کے عدد 1200 ملین پر تقسیم کیا جائے تو ہر مسلمان کا (چاہے بڑا ہو یا چھوٹا' مرد ہو یا عورت) امریکہ اور اسکے گماشتوں کے ذمے 30 ہزار ڈالر نکلتے ہیں۔ سبحان اللہ یعنی ان حالات میں جبکہ مسلمانانِ عالم غربت' بیماری اور بھوک کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں اور امریکہ ان میں سے ہر ایک کا تقریباً پندرہ لاکھ ساٹھ ہزار روپے پاکستانی روپے کے برابر مقروض ہے۔ کیا اس سے زیادہ حیرت انگیز اور افسوسناک کوئی بات ہو سکتی ہے؟ اگر اس عظیم ترین چوری کی ایک دن کی مقدار بنگلہ دیش کے مسلمان بھائیوں کو دے دی جائے' جو ہر سال سیلاب کے ہاتھوں بے گھر ہو جاتے ہیں تو ان کو درپیش مشکلات کا مداوا ہو سکتا ہے۔ اگر اس کی آدھی مقدار صومالیہ کے زرعی منصوبوں پر لگا دی جائے تو وہاں قحط ختم ہو سکتا ہے۔ اگر اس کی چوتھائی مقدار برما کے مہاجرین اور بوسنیا کے بے یارومددگار مسلمانوں تک پہنچا دی جائے تو وہ اپنے جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

لیکن صد افسوس! کائنات کے خالق کی نافرمانی برے دن دکھا رہی ہے۔ رسول ﷺ کے فرمان کی خلاف ورزی دارین کے خسارے کا سبب بن کر رہتی ہے۔ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے پہلے بھی فقر و فاقہ کر کے تونگری نصیب کی اور اب بھی اس کو راضی کر لیا جائے تو اس کے فضل و کرم سے تمام مصائب دور ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا صرف اور صرف اس کی اطاعت کرنے اور منکرات کو چھوڑنے میں ہے۔ اس وقت مسلمان جس طاعت کو سب سے زیادہ چھوڑے ہوئے ہیں' وہ ہے اقامتِ فریضۂ جہاد اور احیائے خلافت اسلام اور سب سے زیادہ جس منکر میں مبتلا ہیں وہ ہے دنیا کی محبت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی محنت سے غفلت۔ خصوصاً جزیرۂ عرب کے حوالے سے مسلمان رسول ﷺ کے آخری ارشاد' وصیت اور تمنا کی خلاف ورزی کر کے جس جرم عظیم کے مرتکب ہو رہے ہیں آج یہ ساری مصیبتیں اسی کا وبال ہیں اور یہ برے دن اسی حکم عدولی کی وجہ سے دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ مسلمانو! سوچو تو سہی رسول ﷺ کی روح مبارک پر کیا گزرتی ہوگی جب حرمین کی مقدس سرزمین پر ان کو ایذاء پہنچانے والے بدفطرت یہودی اور ان کی گستاخی کرنے والے بد باطن عیسائی دندناتے پھر رہے ہیں۔ اور ان کے نام لیوا روضۂ اقدس پر حاضری اور سلام کی سعادت نصیب ہونے پر اکتفا کرتے ہوئے دنیا و مافیہا سے غافل اور مطمئن بیٹھے ہیں۔ نہ انہیں حجاز کی مقدس سرزمین پر نازل ہو جانے والے نجس و ناپاک امریکی اور انگریز نظر آتے ہیں۔ نہ ان پلیدوں کو دفع کرنے کی انہیں کوئی فکر ہے' نہ اس بے فکری کے بھیانک عواقب و نتائج کا کوئی احساس ہے۔ محمد ﷺ عربی کے نام لیوا و اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے جہاد کو چھوڑ کر اور یہود و نصاریٰ سے تعلق جوڑ کر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے پاک رسول ﷺ کی جو ناراضگی مول لے رہے ہو اور اس ناراضگی کے وبال میں دنیا و آخرت کی جس تباہی اور ناکامی کے دہانے پر پہنچ چکے ہو' اب اس سے بچنے کی ایک ہی صورت رہ گئی ہے کہ ہر مسلمان اپنی اصلاح کرنے اور جہاد و قتال کا مقدس راستہ اپنانے کے ساتھ امت کو بیدار کرنے اور ان اعمال پر لانے کی کوشش شروع کر دے جن کے چھوڑنے سے آج دشمنانِ خداوندی ان پر مسلط ہو چکے ہیں۔ زبان سے ہو یا قلم سے' جان سے ہو یا مال سے' بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ' انفرادی ہو یا اجتماعی' جیسے بھی ممکن ہو یہ مبارک محنت کرنے میں لگ جائیں' اس کو اپنا مستقل وظیفہ بنا لے' اور پھر اس میں آخری سانس تک لگا رہے۔ اس وقت تک جب تک کہ مسلمانوں کی فتح و نصرت کے فیصلے آسمانوں پر ہو جائیں یا پھر اس کا بلاوا آ جائے۔

ماخوذ از کتاب: حرمین کی پکار

(مرسلہ: مریم النساء' ابوظہبی)

تحریک جہاد کا اصل مقصد

سید احمد صاحب کی شہادت کے ساتھ ہی اُن کی ''تحریکِ جہاد'' پر یہ قسط وار ختم ہو جانا چاہئے لیکن ایک تو تحریک کے اثرات اب تک جاری ہیں' دوسرے بعض حلقوں کی جانب سے اس تحریک پر اور سید صاحب پر خاصے اعتراضات ہوئے ہیں' اس لئے آئندہ دو قسطوں میں اس کا محاکمہ ضروری ہے۔ اس قسط کو محاکمے کا جز خیال کرنا چاہئے۔

تحقیق و تحریر: سید قاسم محمود

* سوال یہ ہے کہ سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ جہاد کا اصل مقصد کیا تھا جو بالآخر ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام قرار پایا؟ اس کے بارے میں جو طریقِ کار اختیار کیا گیا' وہ کس حد تک ہندوستان کے لئے مجموعی طور پر اور مسلمانوں کے لئے خصوصی طور پر سودمند ثابت ہوا؟ اِس تحریک کی کامیابی اور ناکامی سے قطع نظر کس حد تک اس نے برصغیر کی سیاست کو متاثر کیا؟ اس کے نتائج کیا ہوئے؟ یہ تحریک صرف سکھوں کے خلاف تھی یا پورے برصغیر کو بیرونی تسلط سے آزاد کرانا چاہتی تھی اور آزاد کرانے کے بعد کس قسم کی حکومت مطلوب تھی؟ یہ اور اس قسم کے کئی سوالات سامنے آتے ہیں۔ ان کے جوابات کے بعد ہی اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ آیا یہ تحریک آگے لے جانے والی تھی' اس سماج کو ترقی' خوشحالی اور نئی منازل کی طرف لے جانے والی تھی یا پیچھے لے جانے والی۔ یا پھر یہ ایک خالص مذہبی اُبال تھا جس کے پیچھے کوئی منضبط فلسفہ اور جذبہ کام نہ کر رہا تھا؟

ان سوالات کے جوابات پا لینے کے مختلف عوامل کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ برطانوی مؤرخین اور تجزیہ نگاروں کی آراء کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا اور اس وقت کے سیاسی اور معاشی محرکات پر بھی نگاہ رکھنی ہوگی۔ پھر ڈر' حمایت اور مخالفت کے جذبات کو بھی چند لمحات کے لئے الگ رکھنا ہوگا' کیونکہ اِس وقت سید احمد کی ذات اور ان کی تحریک کے گرد ایک گروہ نے تقدس سے بڑھ کر مہدیت تک کا ناقابلِ تسخیر حصار قائم کر رکھا ہے۔ دوسری طرف ایک گروہ ایسا بھی ہے جو سید احمد کی تحریک ہی کا مخالف نہیں بلکہ ان کے مذہبی عقائد کا بھی شدید مخالف ہے۔ جب تحریکوں سے نگاہیں ہٹ کر مذہبی عقائد میں الجھیں گی تو بحث اور تحقیق کے نتائج واضح نہیں ہو پائیں گے' کیونکہ تحریکوں کے تجزیئے کے لئے عقائد کے پیچھے جو عوامل ہوتے ہیں' ان پر نگاہ رکھنی اور اس وقت کے مخصوص حالات کو جاننا ضروری ہوتا ہے۔

جہاد کی خصوصیات

سب سے پہلے تو یہ بات بذاتِ خود اہم ہے کہ یہ تحریکِ جہاد تھی۔ مسلمانوں کے نزدیک جہاد ایک مذہبی فریضہ ہے اور اس کے پیچھے ایک مخصوص نظریہ کارفرما ہوتا ہے۔ یہ عام لشکر کشی نہیں ہوتی' نہ ہی کسی بادشاہ کی چڑھائی اور حملے کا نام ہے' بلکہ ایک خاص نوعیت کی جنگ کا نام جہاد رکھا جاتا ہے۔ مولانا مہر نے اس سلسلے میں تفصیلاً اپنا موقف پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''جہاد جہد سے ہے جس کے معنی ہیں: محنت' مشقت اور کسی کام کے لئے سخت تکلیف برداشت کر لینے پر ہمہ تن آمادگی۔ اصطلاحِ شریعت میں جہاد کی تعریف یہ ہے: ''دشمن کے حملے کی روک تھام کے لئے اپنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ ظاہراً و باطناً نکلنا۔ ظاہراً یہ کہ دشمن لشکر لے کر چڑھ آیا تو شمشیر بکف ہو کر اس کی مدافعت میں لگ جانا اور اس وقت تک اطمینان کا سانس نہ لینا جب تک ہر خطرہ اور ہر خدشہ بالکل محو نہ ہو جائے۔ اس کارِ حق میں جان بھی دینی پڑے تو اس کے لئے بے پروایانہ تیار ہوا جائے۔ باطل کو مٹانے اور حق کو سربلند کرنے میں شب و روز لگے رہنا۔ باطناً یہ کہ اپنے نفس کو تمام شیطانی قوتوں کی فسوں سازیوں اور معصیت و عدوان کی زیاں کاریوں سے بچا کر رکھنا۔ جماعت کی طرف سے جو سعی ہوتی ہے' سچائی کی سربلندی کے لئے جو قربانیاں کی جاتی ہیں' صداقت کی خاطر جو صعوبتیں اور اذیتیں برداشت کی جاتی ہیں' وہ سب جہاد ہیں۔ ظلمت زار باطل میں جن سرفروشوں نے حق کے نعرے لگائے' قیدیں کاٹیں' جائیدادیں ضبط کرائیں' گولیاں کھائیں' پھانسیاں پائیں' گھر بار ترک کئے' عزیزوں اور اقرباء کی دائمی مفارقت گوارا کی' وہ سب مجاہد تھے۔''

جہاد کے لئے عوامی حمایت

یہ سب درست ہے' لیکن سید احمد اور اس کے رفقاء کی تحریکِ جہاد کی ایک اور خصوصیت تھی اور وہی غالباً سب سے اہم تھی۔ وہ خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے عوام میں اس جہاد کے لئے دعوت و تبلیغ کی مہم چلائی۔ اس کو مقبول بنانے کے لئے انفرادی جاں فشانی سے کام کیا۔ ہزاروں انسانوں کو بالآخر اس جہاد کے لئے حرکت میں لایا۔ انہیں برضا و رغبت اپنے گھروں کو خیرباد کہنے پر تیار کیا اور ایک ایسے خطے میں جا کر لڑنے کے لئے ان کے اندر ولولہ اور جوش پیدا کیا جو خطہ نہ ان کی طبیعتوں کو راس تھا' نہ وہاں کے رسم و رواج سے وہ آگاہ تھے اور نہ جغرافیے ہی سے شناسا۔ لیکن اب سب ناواقفیتوں کے باوجود یہ لوگ کشاں کشاں اس دیار میں پہنچ گئے۔

اب تک ہندوستان کے برصغیر میں لشکر کشی صرف بادشاہوں اور سپہ سالاروں کا حکم تھا اور لشکر کشی میں شریک ہونے والا لشکر میں پیشے کے طور پر شریک ہوتا تھا۔ اس کی روٹی اور روزگار کا انحصار اس لشکر کشی پر ہوتا تھا۔ ان سپاہیوں کے لئے لڑنے مرنے کے سوا اور کوئی کام نہ ہوتا تھا۔ ان میں کوئی ولولہ اور جوش نہ ہوتا تھا' سوائے اس جوش اور ولولے کے جو میدانِ جنگ میں وقتی طور پر اپنی جان بچانے اور دشمن کی جان لینے کے بارے میں پیدا ہو جاتا ہے۔

لیکن سید احمد نے جو لشکر تیار کیا وہ ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جن کا پیشہ سپہ گری نہ تھا' جو اپنی روٹی روزگار کے لئے نہ آئے تھے' بلکہ اس کو خیرباد کہہ کر آئے تھے۔ ان کو جبراً نہ لایا گیا' بلکہ وہ اپنی رضا و رغبت سے آئے تھے۔ اس قسم کی رضا و رغبت پیدا کرنے کے لئے ایک فکر چاہئے جو لوگوں کو اپنی جان دینے پر ابھار سکے۔ وہ فکر اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی۔ جہاں تک سید احمد کی تحریک کا تعلق ہے' اس کی پشت پر اسلامی فکر ہی تھا۔ اور اگر اسے ایک خاص وقت میں خاص طریقے سے پیش کیا جائے تو زیادہ اثر ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کے فکر میں سب سے بڑی خوبی ہی یہ تھی کہ انہوں نے اسلامی فکر کی روشنی میں اپنے زمانے کے مخصوص مسائل' کئی دکھوں اور کئی بے چینیوں کی نشاندہی کی تھی۔ روایت ہے کہ سید احمد میں وہ فکری بلندی نہ تھی اور نہ ہی انہوں نے اپنے دور کے مسائل کی خصوصی طور پر نشاندہی کی۔ لیکن ایک ایسے دور میں جبکہ مایوسیاں چاروں طرف چھا رہی ہوں' اضطراب اور بے چینی کا دور دورہ ہو' تو فقط اتنی بات سے تشفی دی جا سکتی تھی کہ اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آئے گا۔ مسلمان کاشت کار اس اسلامی حکومت میں اپنے دکھوں کا مداوا دیکھتا ہے اور زمیندار اپنی فارغ البالی کے زمانے کو واپس آتا دیکھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ اگر کسی دوسری تحریک نے مسائل کے حل اور آئندہ کے نقشے کی تفصیلات اور اس دور کے مخصوص مسائل کی نشاندہی کی ہوتی تو وہ عوام کو سید احمد کی تحریک سے بھی کہیں زیادہ متاثر کرتی اور اس کا دائرہ عمل کہیں زیادہ وسیع ہوتا۔

میں ہفت اقلیم کی سلطانی کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔ جب نصرتِ دین
کا دور شروع ہو جائے گا اور اقتدار کی جڑ کٹ جائے گی تو
میری سعی کا تیر خود بخود نشانے پر جا بیٹھے گا

سید احمد کے مقاصدِ جہاد

جب اپنے زمانے کے مخصوص مسائل کے حل کی نشاندہی نہ ہو سکتی ہو' جب مختلف اطراف سے بڑھتی ہوئی دشمنیوں کی پوری ماہیت کا بھی اندازہ نہ لگ رہا ہو تو اس وقت ایک عمومی نعرہ خاصا کارگر رہتا ہے اور یہ ابہام ہی ان تحریکوں کی بنیاد بن جاتا ہے۔ گرمیٔ جہاد اور جوشِ جذبات میں تو یہ ابہام خاصا کام دے جاتا ہے' لیکن جیسے ہی دھارا تھمنے لگتا ہے تو اس وقت خود یہ ابہام اور عمومی نعرے بھی کھلنے لگتے ہیں اور پریشانی کا موجب بنتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اکثر تحریکیں اسی ابہام سے دھارے پر بہتی رہتی ہیں اور عمومی نعروں کے سہارے ہی پروان چڑھتی ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ سید احمد نے بھی عمومی نعرۂ احیائے دین کو خود بلند کیا۔ لیکن احیائے دین عملی طور پر لوگوں کی زندگیوں کو کس سمت ڈھالے گا' اس کے متعلق انہوں نے کوئی اشارہ نہ کیا۔ ان ہی عملی پہلوؤں پر نگاہ نہ رکھنے اور زمانے کے مخصوص تقاضوں کو اپنا نہ سکنے کی وجہ سے یہ تحریک کامیاب نہ ہوئی۔ لیکن جہاں تک عمومی نعروں کی بنیاد پر جوش اور ولولے پیدا کرنے کا سوال ہے' اس میں وہ پوری طرح کامیاب رہے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ خود اُن کی زندگی اس احیائے دین کا نمونہ تھی اور یہ نمونہ مسلمانوں کو متاثر کرتا تھا۔ ان کی سادگی' ان کا زہد و تقویٰ' یہ سب لوگوں کے لئے بلا کسی کشش رکھتے تھے۔ بقول مولانا مہر:

> ''ان سے پہلے جتنے آدمی معمولی حیثیت سے اٹھ کر لاؤ لشکر کے مالک بنے تھے وہ ملک یا ریاستیں سنبھال کر بیٹھ گئے تھے' ایک قریبی مثال نواب امیر خاں مرحوم کی تھی' جن کے ساتھ سید صاحب سات آٹھ برس گزار چکے تھے اور مرحوم کا قدم بھی طلبِ جاہ و حشم سے آگے نہ بڑھ سکا۔''

ان مثالوں کی بنا پر مختلف قلوب میں یہ وسوسہ پیدا ہونا بعید از قیاس نہ تھا کہ سید صاحب بھی ملک و ریاست کے طلب گار ہیں۔ اس زمانے میں للّٰہیت اس حد تک کمیاب تھی کہ عام لوگ اس کا صحیح تصور بھی نہ کر سکتے تھے' جس طرح پرانے زمانے میں نہیں کر سکتے تھے۔ فکر و نظر کا پیمانہ ایسا بن گیا تھا کہ کسی شخص کی کوئی سرگرمی اور کوئی جدوجہد اغراض سے پاک نہ سمجھی جاتی تھی۔ پھر سب لوگ جانتے تھے کہ سید احمد' امیر احمد خاں کے رفیق رہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ امیر خاں ٹونک کا مالک بن کر بیٹھ گیا۔ اکثر نے یہی سمجھا ہوگا کہ سید صاحب بھی اپنے لئے ایک جداگانہ ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں' اس لئے آپ کو اپنا نصب العین واضح کرنے کی بار بار ضرورت پیش آتی رہی۔ اس امر کی واضح شہادتیں خود سید صاحب کے وعظوں اور ان کے رفقائے کار کی تحریروں اور مکاتیب میں موجود ہیں۔ چنانچہ سید احمد نے شاہ بخارا کے نام جو مکتوب لکھوایا اس میں آپ اپنا مطمحِ نظر واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جب اسلامی بلاد پر غیر مسلم مسلط ہو جائیں تو تمام مسلمانوں پر عموماً اور بڑے بڑے حکمرانوں پر خصوصاً واجب ہو جاتا ہے کہ ان غیر مسلموں کے خلاف مقابلہ و مقاتلہ کی کوشش اس وقت تک جاری رکھیں جب تک اسلامی بلاد اُن کے قبضے سے واپس لے لئے جائیں' ورنہ مسلمان گنہگار ہوں گے' ان کے اعمال بارگاہِ باری تعالیٰ میں مقبول نہ ہوں گے اور خود قربِ حق کی برکتوں سے محروم رہیں گے۔''

اسی طرح ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

> ''میں ہفت اقلیم کی سلطانی کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔ جب نصرتِ دین کا دور شروع ہو جائے گا اور اقتدار کی جڑ کٹ جائے گی تو میری سعی کا تیر خود بخود نشانے پر جا بیٹھے گا۔''

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

> ''اگر اسلامی ممالک آزاد ہو جائیں' ریاست و سیاست اور قضا و عدالت میں شرعی قوانین کو مدارِ عمل بنا لیا جائے تو میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ خود مالک سلطنت بننے کی بجائے مجھے یہ پسند ہے کہ تمام اقطاع میں عادل فرماں رواؤں کی حکمرانی کا سلسلہ جاری ہو جائے۔''

ایک اور جگہ یوں رقم طراز ہیں:

> ''تمام عبادتوں کی بنیاد' تمام طاعتوں کی اصل اور تمام جاودانی راحتوں کا مدار یہ ہے کہ خالق برتر کے ساتھ رشتۂ عبودیت استوار ہو جائے۔ استواری کا نشان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت' عزیز داری کے تمام رشتوں پر برتری حاصل کر لے۔''

سوال کیا جا سکتا ہے کہ یہ بتا کیوں کر چلے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت واقعی تمام رشتوں پر برتر ہو گئی ہے؟

فرماتے ہیں:

> ''اس محبت کی سب سے بڑی امتحان گاہ میدان جہاد ہے۔ جہاں کسی بندۂ خدا کے لئے اہل و عیال کے ترک' اخوان و اوطان سے علیحدگی اور جان و مال کی قربانی کئے بغیر پہنچنا ممکن ہی نہیں۔''

اب اس جہاد کی بنیاد یہ فکر اور یہ عمومی نعرے بنے۔ انہی نعروں نے اس تحریک جہاد کو پہلے ادوار کی لشکر کشی سے ممیز کیا اور اسے عوام کے جذبات کا مظہر بننے کا ایک موقع ملا۔ اس میں کس حد تک کامیابی ہوئی؟ یہ سوال توجہ طلب ہے کہ اس تحریک نے دُور دراز رہنے والے بنگالی مسلمانوں کو کس حد تک متاثر کیا!

اورنگ زیب عالمگیر کا فرمان

حضرت اورنگزیب عالمگیرؒ نے سوچا کہ عالمی مسائل کی کوئی کتاب ہونی چاہئے۔ جس سے مسلمان ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہیں اس کام کے لئے اس نے علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی اس کمیٹی کے نگران شاہ عبدالرحیمؒ تھے۔ شاہ صاحب کی نگرانی میں علماء کرام نے فتاویٰ ترتیب دیئے۔ جب یہ مجموعہ تیار ہو گیا تو شاہ صاحب نے تمام علماء کے مشورے سے اس مجموعہ کا نام ''فتاویٰ عالمگیری'' رکھا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ عالمگیر بہت خوش ہوا اور اسی وقت اس نے انعام میں جاگیر عطا فرمائی اور انعام و اکرام کا فرمان آپ کو دے دیا۔ آپ نے پڑھا' قلم اٹھایا اور اس کے پیچھے لکھ دیا ''کم ہے'' اور عالمگیر کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے دیکھا انعام اور جاگیر دوگنی کر دی اس طرح کئی بار ہوا تو عالمگیر شاہ صاحب سے بدظن ہو گیا کہ جس بڑے عالم کو متقی سمجھا جا رہا تھا وہ اتنا بڑا حریص نکلا اس نے جھنجھلا کر شاہ صاحب سے پوچھا ''آخر تم کیا چاہتے ہو؟'' شاہ صاحب نے فرمایا ''میں اس کی بہت بڑی قیمت چاہتا ہوں۔ وہ آپ نہ دے سکیں گے۔'' عالمگیر نے پوچھا وہ کیا؟ شاہ صاحب نے فرمایا ''جنت'' یہ سن کر عالمگیر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ فرمان تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھا۔ عالمگیر کبھی کبھی یہ فرمان نکال کر پڑھا کرتا تھا اور رویا کرتا تھا اور شاہ صاحب کے لئے دعائے خیر کیا کرتا تھا۔

میرا خیال ہے کہ شاہ صاحب کی یہی نیک نیتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے خاندان میں نہایت متقی اور پرہیزگار علماء پیدا کئے۔ نبی آخر الزماں' فخر موجودات و کائنات' تاجدار مدینہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس شخص کی نیت آخرت کی تیاری کی ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے۔ اس کی پریشانیاں سمیٹ دیتا ہے اور دنیا ذلیل و خوار ہو کر اس کے پاس آ جاتی ہے۔

اوپر جس عظیم ہستی کی مثال دی گئی ہے راقم کا اشارہ حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی طرف ہے۔ جو سید احمد شہید کے مرشد شاہ ولی اللہ کے والد تھے۔

(تحریر: سید حبیب اللہ اوج)

مغرب کو اسلام کی دعوت

مفکرِ اسلام، مفسرِ قرآن، داعیٔ انقلاب و تجدید مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (25 ستمبر 1903ء تا 25 ستمبر 1979ء) کے صد سالہ یومِ ولادت کی رعایت سے یہاں مولانا صاحب مرحوم و مغفور کا ایک انٹرویو پیش کیا جا رہا ہے جو اُنہوں نے 4 مارچ 1969ء کو اٹلی کی سرکاری ٹیلی ویژن کمپنی کو دیا تھا۔ یہ انٹرویو اُس کمپنی کے ایک سلسلے ''دنیا میں اسلام'' (Islam in the World) کے تحت دیا گیا تھا۔

س: برصغیر میں اسلام کی آمد پر یہاں کے باشندوں کو کس چیز نے اپیل کیا؟

ج: برصغیر میں اسلام پہلی صدی ہی میں آ گیا تھا۔ پہلی صدی سے میری مراد پہلی صدی ہجری ہے۔ اس زمانے میں اسلام کو دو مذہبوں سے سابقہ پیش آیا۔ ایک بدھ مت، دوسرے ہندومت۔ بدھ ازم ایک ایسا مذہب ہے جو انسان کو رہبانیت سکھاتا ہے اور ہندوازم ایک ایسا مذہب ہے جو انسان کو طبقات میں تقسیم کرتا ہے، ایسے مستقل طبقات جو کبھی تبدیل نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ ہندوازم شرک و بُت پرستی پر مبنی ہے۔ اسلام جب آیا تو اس نے یہاں ایک طرف توحید کا عقیدہ پیش کیا، دوسری طرف اس نے طبقاتی تقسیم کو باطل ثابت کیا اور تمام انسانیت کی وحدت پر زور دیا۔ تیسری طرف اس نے انسان کو یہ بتایا کہ اس کی ترقی کا فطری راستہ ترکِ دنیا اور رہبانیت نہیں ہے، بلکہ اجتماعی زندگی میں رہتے ہوئے خدا اور اس کے بندوں اور خود اپنے نفس کے حقوق ادا کرنا ہے۔ جو اثرات اسلام نے برصغیر کے باشندوں پر ڈالے ان کا اندازہ کرنے کیلئے یہ بات کافی ہے کہ جہاں اسلام کی آمد سے پہلے ایک مسلمان بھی موجود نہ تھا وہاں آج کروڑوں مسلمان پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ذہن کو اسلام کی تعلیم توحید نے، وحدتِ انسانی کے تخیل نے اور اجتماعی زندگی کی اصلاح کے پروگرام نے اپیل کیا۔

س: جدید دور کے لئے اسلام کا اجتماعی فلسفۂ حیات کیا ہے؟

ج: اسلام کا اجتماعی فلسفۂ حیات ہر زمانے کے لئے ہے۔ وہ جدید دور کے لئے بھی اسی طرح صحیح اور درست ہے جس طرح قدیم دَور کے لئے تھا اور آئندہ آنے والے ہزاروں سال کے لئے رہے گا۔ اس کا فلسفۂ حیات اس تصور پر مبنی ہے کہ انسان کے لئے صحیح روّیہ زندگی اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی و اطاعت اور اُس قانون کی پیروی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے بھیجا ہے۔ چونکہ یہ ساری کائنات اللہ کی سلطنت ہے اور انسان فطری طور پر اس کا بندہ ہے، اس لئے ہر زمانے میں انسانوں کے لئے صحیح روّیہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ خدا کی بندگی اور اطاعت کریں اور اُس قانون کی پیروی کریں جو اس کائنات کے بنانے والے نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے بھیجا ہے۔ یہی طریقِ زندگی ہر زمانے کے لئے ٹھیک، صحیح اور درست ہے۔ جب کبھی انسان نے اس سے انحراف کیا، اُس کو ایسے پیچیدہ مسائل سے سابقہ پیش آیا جن کو وہ اپنی عقل سے کبھی صحیح طور پر حل نہ کر سکا۔ موجودہ دور میں جو تمدن اور تہذیب کا نظام پایا جاتا ہے وہ چونکہ خدا کی اطاعت سے منحرف اور اس کے قانون سے بے نیاز ہے، اس لئے اس نے بھی بے شمار ایسے مسائل پیدا کر دیئے ہیں جن کے حل کرنے پر انسان قادر نہیں ہو رہا ہے۔

مثلاً، آج خاندان زندگی کا نظام موجودہ تہذیب ہی کی وجہ سے درہم برہم ہو رہا ہے۔

مثلاً، اسی تہذیب و تمدن کی بدولت رنگ اور نسل کے امتیازات اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ دنیا میں کبھی انسانیت پر اتنا ظلم و ستم نہیں ہوا ہے جتنا اس رنگ و نسل کے امتیاز کی بدولت آج ہو رہا ہے۔

مثلاً اس تہذیب نے نیشنلزم کا طوفان برپا کر دیا جس کی بدولت دنیا میں دو عظیم الشان لڑائیاں ہو چکی ہیں اور مزید ہوتی نظر آ رہی ہیں۔

یہ سب کچھ اسی وجہ سے تو ہے کہ انسان نے علومِ طبیعی کی طرح اپنی اجتماعی زندگی کے لئے بھی اپنی عقل ہی کو کافی سمجھ لیا ہے اور اپنی زندگی کا نظام اپنی عقل سے تصنیف کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر اُس فطری نظام کو اختیار کیا جائے، جو انسان کے لئے خدا نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے بھیجا ہے تو یہ مسائل کبھی پیدا نہ ہوں، اور اگر کبھی پیدا ہو بھی جائیں تو اُن کو آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے۔

س: نسل اور رنگ کا مسئلہ اسلام کس طرح حل کرتا ہے؟

ج: نسل اور رنگ کے مسئلے کے پیدا ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ آدمی محض اپنی جہالت اور تنگ نظری کی بنا پر یہ سمجھتا ہے کہ جو شخص کسی خاص نسل یا ملک یا قوم میں پیدا ہو گیا ہے وہ کسی ایسے شخص کے مقابلے میں زیادہ فضیلت رکھتا ہے جو کسی دوسری نسل یا قوم یا کسی دوسرے ملک میں پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ آدمی کی پیدائش ایک اتفاقی امر ہے، اس کے اپنے انتخاب کا نتیجہ نہیں ہے۔ اسلام ایسے تمام تعصبات کو جاہلیت قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمام انسان ایک ماں اور ایک باپ سے پیدا ہوئے ہیں اور انسان اور انسان کے درمیان فرق کی بنیاد اس کی پیدائش نہیں بلکہ اس کے اخلاق ہیں۔ اگر ایک انسان اعلیٰ درجے کے اخلاق رکھتا ہے تو وہ خواہ کالا ہو یا گورا، خواہ وہ افریقہ میں پیدا ہوا ہو یا امریکہ میں یا ایشیا میں، بہرحال وہ قابلِ قدر انسان ہے۔ اور اگر ایک انسان اخلاق کے اعتبار سے ایک برا آدمی ہے تو خواہ وہ کسی جگہ پیدا ہوا ہو اور اس کا رنگ خواہ کچھ ہی ہو اور اس کا تعلق خواہ کسی نسل سے ہو، وہ ایک برا انسان ہے۔ اسی بات کو ہمارے رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ملے۔ فضیلت اگر ہے تو وہ تقویٰ کی بنا پر ہے۔ جو شخص خدا کی صحیح صحیح بندگی کرتا ہے اور خدا کے قانون کی صحیح صحیح پیروی کرتا ہے، خواہ وہ گورا ہو یا کالا، بہرحال وہ اس شخص سے افضل ہے جو خدا ترسی اور نیکی سے خالی ہو۔ اسلام نے اسی بنیاد پر تمام نسلی اور قومی امتیازات کو مٹایا ہے۔ وہ پوری نوعِ انسانی کو ایک قرار دیتا ہے اور انسان ہونے کی حیثیت سے سب کو برابر کے حقوق دیتا ہے۔ قرآن وہ پہلی کتاب ہے جس نے انسان کے بنیادی حقوق کو واضح طور پر بیان کیا ہے اور اسلام وہ پہلا دین ہے جس نے تمام انسانوں کو جو کسی مملکت میں شامل ہوں، ایک جیسے بنیادی حقوق عطا کئے ہیں۔ فرق اگر ہے تو یہ ہے کہ اسلامی ریاست چونکہ ایک نظریہ اور اصول (Ideology) پر قائم ہوتی ہے، اس لئے اس نظریہ

کو جو لوگ مانتے ہوں اسلامی ریاست کو چلانے کا کام انہی کے سپرد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جو لوگ اسے مانتے اور سمجھتے ہیں وہی اس پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ لیکن انسان ہونے کی حیثیت سے اسلام تمام ان لوگوں کو یکساں تمدنی حقوق عطا کرتا ہے جو کسی اسلامی ریاست میں رہتے ہوں۔ اسی بنیاد پر اسلام نے ایک عالمگیر اُمت (world community) بنائی ہے جس میں ساری دنیا کے انسان برابر کے حقوق کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں۔ حج کے موقع پر ہر شخص جا کر دیکھ سکتا ہے کہ ایشیا' افریقہ' امریکہ' یورپ اور مختلف ملکوں کے لاکھوں مسلمان ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور ان کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں پایا جاتا۔ ان کو دیکھنے والا ایک ہی نظر میں یہ محسوس کر لیتا ہے کہ یہ سب ایک اُمت ہیں اور ان کے درمیان کوئی معاشرتی امتیاز نہیں ہے۔ اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو دنیا میں رنگ و نسل کی تفریق کی بنا پر آج جو ظلم و ستم ہو رہا ہے اس کا یک لخت خاتمہ ہو سکتا ہے۔

س: شراب اور سور کی حرمت کے کیا وجوہ ہیں؟

ج: سب سے پہلے آپ شراب کے مسئلے پر غور کریں۔ علمی بنیاد پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ الکوحل انسان کے جسم کے لئے بھی نقصان دہ ہے اور عقل کے لئے بھی۔ اس وقت دنیا میں الکوحلزم ایک خطرناک مسئلے کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔ بکثرت انسان ایسے ہیں جو اسی الکوحلزم کی بدولت عملاً اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں کھو چکے ہیں اور معاشرے کے لئے ایک مسئلہ بن چکے ہیں۔ اس بات کو بھی مانا جاتا ہے کہ دنیا میں بکثرت حادثات (accidents) اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ آدمی کے خون میں اگر ایک خاص مقدار میں الکوحل موجود ہو اور اس حالت میں وہ گاڑی چلائے تو اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈال دیتا ہے اور دوسرے انسان کے لئے بھی خطرہ بن جاتا ہے۔ لیکن اس پر کوئی اتفاق نہیں ہو سکا ہے کہ وہ خاص مقدار کون سی ہے جس کا پایا جانا ذہنی توازن کو بگاڑ دیتا ہے۔ بہرحال یہ مسلّم ہے کہ الکوحل ایک ایسی چیز ہے جو انسان کی ذہنی صلاحیتوں کو متوازن نہیں رہنے دیتی۔ اسی وجہ سے اسلام نے الکوحل کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا ہے۔ آج تک کوئی شخص یہ طے نہیں کر سکا ہے کہ کتنی مقدار میں الکوحل ہر شخص کے لئے مضر ہے اور کتنی مقدار میں غیر مضر۔ یہ نسبت مختلف انسانوں کے معاملہ میں مختلف ہوتی ہے اور کوئی ایسا قاعدۂ کلیہ نہیں بنایا جا سکتا کہ فلاں خاص مقدار تک الکوحل کا استعمال تمام انسانوں کے لئے یکساں غیر مضر ہوگا اور اس سے زائد مقدار سب کے لئے یکساں مضر ہوگی۔ اسی لئے اسلام نے یہ اصول قرار دیا ہے کہ جو چیز حرام ہے اس کی کم سے کم مقدار بھی حرام ہے' کیونکہ اس کی کم مقدار کو حلال قرار دینے کے بعد کوئی خط ایسا نہیں کھینچا جا سکتا جہاں جواز کی حد ختم ہو سکے اور عدمِ جواز کی حد شروع ہو جائے۔ لہٰذا قابلِ عمل صورت یہی ہے کہ اس کو قطعی طور پر ممنوع قرار دے دیا جائے۔ اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب یا نظامِ تہذیب ایسا نہیں ہے جس نے انسان کو الکوحلزم سے بچانے میں وہ کامیابی حاصل کی جو اسلام نے حاصل کی ہے۔ امریکہ نے اسی صدی میں اس بات کی کوشش کی تھی کہ امریکی قوم کو شراب کے نقصانات سے بچایا جائے۔ چنانچہ امریکی دستور میں ایک ترمیم کے ذریعہ سے شراب کو ممنوع قرار دیا گیا۔ لیکن یہ تجربہ ناکام ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ شراب کا سائنٹیفک بنیاد پر مضر ہونا پہلے ثابت ہو گیا تھا اور بعد میں اس کا غیر مضر ہونا ثابت ہو گیا' بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ امریکہ کی حکومت اور اس کا پورا قانونی نظام اپنا سارا زور لگا کر بھی لوگوں کو شراب چھوڑنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ یہ دراصل امریکی تہذیب کے نظام کی کمزوری تھی۔ اس کے برعکس اسلام کا تہذیبی نظام اتنا طاقتور تھا کہ ایک حکم مسلمانوں کو شراب سے روک دینے کے لئے کافی ہو گیا اور اس حکم میں آج تک اتنی طاقت ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اب بھی شراب سے اجتناب کے معاملہ میں مسلمانوں کی برابری نہیں کر سکتی۔

جہاں تک سؤر کا تعلق ہے' تمام آسمانی شریعتوں میں وہ ہمیشہ سے حرام رہا ہے۔ آج بھی بائبل میں اس کی حرمت موجود ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں آج سے سؤر کو حلال قرار دیتا ہوں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عیسائیت نے بھی اُس حکم کو برقرار رکھا جو پہلے سے بائبل میں سؤر کی حرمت کے لئے موجود تھا۔ اگر سؤر کسی وقت بھی حلال کیا گیا ہوتا تو اس کا ثبوت موجود ہوتا کہ فلاں پیغمبر نے یا خدا کی فلاں کتاب نے اس کو حلال قرار دیا ہے۔ لیکن میرے علم میں نہیں ہے کہ کبھی خدا کی کسی کتاب میں اس کے حلال ہونے کا حکم آیا ہو۔

اب رہا یہ سوال کہ سؤر کیوں حرام ہے؟ اس کے بارے میں یہ اصولی بات سمجھ لینی چاہئے کہ انسان اُن چیزوں کی برائی کو تو جان سکتا ہے جو جسمانی حیثیت سے اس کے لئے نقصان دہ ہوں' لیکن وہ آج تک کبھی یہ جاننے پر قادر نہیں ہوا کہ کون سی غذائیں اس کے اخلاق پر برا اثر ڈالتی ہیں اور روحانی حیثیت سے اس کے لئے نقصان دہ ہیں۔ غذاؤں کے اخلاقی اثرات جاننے اور ٹھیک ٹھیک ان کو متعین کرنے کے ذرائع انسان کو حاصل نہیں ہیں۔ اسی لئے یہ کام خدا نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ جو چیزیں انسان کے اخلاق اور اس کی رُوح کے لئے نقصان دہ ہیں ان کی نشاندہی وہ خود کر دے اور انہیں حرام قرار دے۔ اب اگر کوئی شخص خدا پر اعتماد کرتا ہو تو اُسے وہ چیزیں چھوڑ دینی چاہئیں جن سے اس نے منع کیا ہے' بہر جو خدا پر اعتماد نہ رکھتا ہو وہ جو کچھ چاہے کھاتا رہے۔

یہاں کسی چیز کے لئے ہمیشگی نہیں ہے۔ ہر چیز کے لئے ایک عمر مقرر ہے جسے پہنچنے کے بعد وہ ختم ہو جاتی ہے اور یہی معاملہ بحیثیت مجموعی پوری کائنات کا بھی ہے۔ یہاں جتنی طاقتیں کام کر رہی ہیں وہ سب محدود ہیں۔ ایک وقت تک ہی وہ کام کر رہی ہیں' اور کسی وقت پر انہیں لامحالہ خرچ ہو جانا اور اس انتظام کو ختم ہو جانا ہے۔ قدیم زمانے میں علم کی کمی کے باعث اُن فلسفیوں اور سائنسدانوں کی بات کچھ چل بھی جاتی تھی جو دنیا کو ازلی و ابدی قرار دیتے تھے۔ مگر موجودہ سائنس نے عالم کے حدوث و قدم کی اس بحث میں' جو ایک مدتِ دراز سے دہریوں اور خدا پرستوں کے درمیان چلی آ رہی تھی' قریب قریب حتمی طور پر اپنا ووٹ خدا پرستوں کے حق میں ڈال دیا ہے۔ اب دہریوں کے لئے عقل اور حکمت کا نام لے کر یہ دعویٰ کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے کہ دنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور قیامت کبھی نہ آئے گا۔ پرانی مادہ پرستی کا سارا انحصار اِس تخیل پر تھا کہ مادہ فنا نہیں ہو سکتا۔ صرف صورت بدلی جا سکتی ہے' مگر ہر تغیر کے بعد مادہ مادہ ہی رہتا ہے اور اس کی مقدار میں کوئی کمی و بیشی نہیں ہوتی۔ اس بناء پر یہ نتیجہ نکالا جاتا تھا کہ اس عالم مادی کی نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ لیکن اب جوہری توانائی کے انکشاف نے اس پورے تخیل کی بساط اُلٹ کر رکھ دی ہے۔ اب یہ بات کھل گئی ہے کہ قوت مادے میں تبدیل ہوتی ہے اور مادہ پھر قوت میں تبدیل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ نہ صورت باقی رہتا ہے نہ ہیولیٰ۔ اب حرکیاتِ حرارت کے دوسرے قانون نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ عالم مادی نہ ازلی ہو سکتا ہے نہ ابدی۔ اس کو لازماً ایک وقت شروع اور ایک وقت ختم ہونا چاہئے۔ اس لئے سائنس کی بنیاد پر اب قیامت کا انکار ممکن نہیں رہا ہے اور ظاہر بات ہے کہ جب سائنس ہتھیار ڈال دے تو فلسفہ کن ٹانگوں پر اُٹھ کر قیامت کا انکار کرے گا؟ (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

سیکولر ذہن کے تضادات

''ندائے خلافت'' کے شعبۂ انگریزی کے مدیر و مترجم جناب محمد عدنان ہارون کی اثر انگیز پہلی اُردو تحریر۔
ندائے خلافت کے اوراقِ آئندہ اُن کی تحریروں کے منتظر رہیں گے۔

* بہت سے المیوں کے ساتھ ہمارے ہاں ایک المیہ یہ بھی ہے کہ جو شخص قرآن وسنت سے جتنا لاعلم ہے اتنا ہی وہ بڑھ چڑھ کر دوسروں کو دین کا سبق پڑھاتا ہے اور اپنی لاعلمی وجہالت کی دھونس جمانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی جہالت و لاعلمی پر مبنی زبان درازی کا صدور حال ہی میں پاکستان کے سٹالن پرویز مشرف سے ہوا ہے۔ یوں تو موصوف کے حالیہ اقوالِ جہالت پر کئی پہلوؤں سے بحث ہو سکتی ہے مگر ہم اس وقت صرف چند اہم ترین نکات پر روشنی ڈالیں گے۔

ان میں سب سے پہلے تو وہ تضادات ہیں جو جنرل مشرف کی باتوں میں روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ دین و مذہب کے حوالے سے سیکولر ذہن کا یہ المیہ رہا ہے کہ وہ جب بھی دین کے کچھ پہلوؤں کا اثبات اور کچھ کا انکار کر کے ایک سوچ وضع کرتا ہے تو اس میں لامحالہ منطقی تضادات کی آمیزش ہو جاتی ہے اور دین کی یا اس کی کچھ تعلیمات کی نفی کرتے کرتے وہ غیر دانستہ طور پر ان ہی کے حق میں دلائل گھڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے سٹالن کی گفتگو میں بھی تضادات کھل کر سامنے آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو موصوف کی حالیہ منطق:

''خلافت کے لئے ایک ماحول ضروری ہے جو پاکستان میں نہیں...''

یہاں سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ وہ کون سا ماحول ہے جس کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں؟ اس کی وضاحت درکار ہے۔ تاہم دوسری بات یہ کہ یہ جو بھی ماحول ہے فراہم کیا جا سکتا ہے۔ مشرف تو ''ماحولیات'' کے ماہر ہیں اور اس معاملے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اسی مہارت کی ایک مثال ریفرنڈم کے ڈرامے کے ذریعے ہمارے سامنے آچکی ہے۔ اسکے علاوہ یاد کیجئے کہ 12 اکتوبر کی غداری بروئے کار لانے کے لئے بھی تو ماحول موافق نہ تھا۔ یہ وہ دور تھا جب پاکستانی تاریخ کا سب سے زیادہ مینڈیٹ والا وزیر اعظم کرسی وزارت عظمیٰ پر براجمان تھا اور جمہوری تقاضوں کے حوالے سے تو اس کی کرسی نہایت مضبوط نظر آتی تھی' مگر کیونکہ وہ ایٹمی دھماکے کر کے پاکستان کو واحد اسلامی ایٹمی طاقت بنا چکا تھا اور اس مردانگی' قومی جذبات کی پاسداری' امریکہ و اسرائیل نافرمانی کی سزا اسے دینی ہی تھی لہٰذا میاں نواز کے ''دوستوں'' نے انہیں سزا دینے کے لئے ایک بار پھر پاک فوج کا کوڑا استعمال کیا اور میاں مشرف کو اس کام پر مامور کر دیا۔ میاں مشرف نے انتہائی ناساز حالات کے باوجود اپنے مجازی خداؤں کو خوش کرنے کے لئے مطلوبہ ماحول فراہم کیا اور ایک دفعہ پھر ملک عزیز کو پتھر کے دور کی جانب اور آمریت کی جہنم میں جھونک دیا۔ تو اگر اس سارے گھناؤنے اور نجس عمل کے لئے راہ ہموار کی جا سکتی ہے تو اپنے حقیقی آقا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر خلافت کے پاکیزہ قیام کے لئے بھی ماحول تیار کیا جا سکتا ہے۔ شرط صرف سچی نیت اور پختہ ارادہ ہے۔

''پاکستان کے سٹالن صاحب نے کچھ اور خام موتی بھی بکھیرے ہیں جن کی روداد یوں ہے کہ:

''ہم اکیسویں صدی میں رہ رہے ہیں' نظام خلافت پاکستان میں قابل عمل نہیں ہو سکتا..... اپنے تصورات کے مطابق اسلام زیادہ جمہوری مذہب ہے۔ اسلام سب لوگوں کو مساوی حقوق دیتا ہے۔ یہ مذہب' رنگ و نسل میں کوئی فرق روا نہیں رکھتا۔ یہ اتفاق رائے سے فیصلے کرنے پر یقین رکھتا ہے۔''

اس ضمن میں پہلے تو میاں مشرف سے یہ سوال ہے کہ اکیسویں صدی کے وہ کون سے تقاضے ہیں جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے؟ مزید یہ کہ اگر خلافت کے نظام کو اکیسویں صدی کے ان تقاضوں سے ہم آہنگ کر دیا جائے تو کیا پھر مشرف کو یہ نظام قبول ہوگا اور کیا وہ اس نظام کو نافذ کرنے کی حامی بھریں گے؟ دوسری بات یہ کہ جہاں تک اکیسویں صدی کے تقاضوں کا تعلق ہے تو جن تقاضوں کا پرچار ک ان کے آقا ہائے مغرب کرتے ہیں وہ تو یہ ہیں کہ جمہوریت کی بالادستی ہو' عوام کو مساوی حقوق حاصل ہوں' مذہب' رنگ و نسل میں فرق روا نہ رکھا جائے' وغیرہ۔ تو صاحب مبارک ہو! یہی تو وہ اسلام ہے جس کا آپ نے ذکر کیا اور جس کو آپ بھی اہل عالم کے سامنے پیش کرتے ہیں اور یہی تو وہ نظام خلافت ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں! تو نظام خلافت کا وہ کون سا امر ہے جو اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں؟ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ ''ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است'' کے مصداق یہ عالم ابھی اسلام کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکا!! کیونکہ مشرف میاں کے اپنے حساب سے اسلام سب سے زیادہ جمہوری مذہب ہے اور سب کو مساوی حقوق دیتا ہے۔ مگر اس جمہوریت کی پاسداری نہ تو اسرائیل میں ہے نہ بھارت میں' نہ پاکستان میں ہے اور نہ امریکہ میں' کیونکہ عہد حاضر میں جمہوریت کا نعرہ لگانے والوں کا (بشمول میاں مشرف) اصل مفہوم جورج اورویل (George Orwell) کے مقولے کے مطابق یہ ہوتا ہے کہ: تمام جانور مساوی ہیں مگر کچھ جانور دوسروں سے زیادہ مساوی ہیں۔ گویا ''روح شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی''۔ مذکورہ مقولہ کا ایک مظہر پاکستان میں یوں رائج ہے کہ جو شخص نیب کو جتنا زیادہ درکار ہے وہ اتنے ہی بڑے عہدے پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ گویا تمام مجرم قانون کی نظر میں مساوی ہیں مگر کچھ زیادہ مساوی ہیں۔

اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر اگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو اصل میں اکیسویں صدی کے تقاضے اور اسلام کے اصول ہی تو ہیں جنہیں ہمارے Animal Farm کا Napolean اپنی سیاسی موت کے عوض ہی قبول کر سکتا ہے۔ ان امور میں سب سے اہم تو جمہوریت ہی ہے' یعنی اصلی جمہوریت۔ وہ نام نہاد سرکس جمہوریت نہیں جو اس وقت ہمارے رنگ لیڈر کے ایما پر رائج ہے۔ ویسے بھی اگر میاں مشرف کو موجودہ صدی کے تقاضوں کا رتی بھر بھی پاس ہوتا تو وہ کبھی 12/اکتوبر کا وہ شرمناک اقدام نہ کرتے جو کہ اکیسویں صدی کے تقاضوں کے خلاف بھی بغاوت تھی اور اسلام کے اصولوں کے خلاف بھی۔ اسی طرح اکیسویں صدی کے تقاضوں میں ایک تقاضا آئین کی پاسداری بھی ہے۔ 12/اکتوبر کی تاریک شام کے بعد جو کچھ ہمارے آئین کے ساتھ ہوا وہ اکیسویں صدی کے کن تقاضوں کے تحت ہوا؟ نیز اکیسویں صدی میں مغرب کا وہ کون سا عظیم ملک ہے جہاں ملکی صدارت کوئی وردی والا کرتا ہو؟ حاصلِ بحث یہ کہ نظام خلافت میں اور اس صدی کے تقاضوں میں کچھ خاص تضاد نہیں ہے۔ اصل مسئلہ ایک ضدی شخص کی من مانی کا ہے جو کہ طاقت کے نشے میں اتنا اندھا ہو گیا ہے کہ اسے خود ساختہ زمینی حقائق کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بالاتر آسمانی حقائق نظر نہیں آ رہے۔ ورنہ 12/اکتوبر سے پہلے پاکستان اکیسویں صدی کے بہت

سے تقاضوں کو پورا کر رہا تھا' جن کا گلا میاں مشرف نے خود ہی گھونٹ دیا' لہٰذا اب میاں مٹھو بن کر نئی صدی کے تقاضوں کا پرچار کرنا عین منافقت ہے!

اب آیئے اس مسئلے کی طرف کہ موجودہ دور میں ہم نظام خلافت کو کس طرح نئی صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر سکتے ہیں۔ تفصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے اجمالاً چند موٹی موٹی باتوں کی طرف اشارہ کافی ہوگا۔ دیکھئے اس وقت سیاسی سطح پر سب سے زیادہ ارتقاء یافتہ اداراتی

علماء کے پاس کوئی اجتہاد خود سے نافذ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اسکی ایک شکل یہ ہو سکتی ہے کہ علماء کا ایک بورڈ اجتہاد کر کے تمام فرقوں کے نظریات پارلیمنٹ کے سامنے رکھ دے اور پارلیمنٹ جس اجتہاد کو بہتر سمجھے اسے نافذ کر دے اور اگر کسی قانون یا امور پر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو وہ عدلیہ سے رجوع کرے۔ عدلیہ بھی علماء سے رجوع کرے اور ہر طرف سے معاملہ سن کر فیصلہ کر دے۔

یہ وہ نظریات ہیں جو کہ اکیسویں صدی کے تقاضوں

12 اکتوبر کی تاریک شام کو جو کچھ ہمارے آئین کے ساتھ ہوا'
وہ اکیسویں صدی کے کن تقاضوں کے تحت ہوا؟ اکیسویں صدی میں
مغرب کا وہ کون سا عظیم ملک ہے جہاں ملکی صدارت کوئی وردی والا کرتا ہو؟

(Institutional) ڈھانچہ موجود ہے جو امریکہ میں رائج ہے۔ امریکی سیاسی ڈھانچہ ایک مثلث کی مانند ہے کہ جس میں عدلیہ' مقننہ اور عاملہ تینوں ایک دوسرے پر چیکس اینڈ بیلنسز (Checks and Balances) رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک آسان فارمولا یہ ہو سکتا ہے کہ خلافت کا سیاسی ڈھانچہ امریکہ والا اپنا لیا جائے۔ اور جہاں تک دستور کا تعلق ہے تو وہ بھی امریکہ سے لے لیا جائے اور اس دستور کو اسلامائز کرنے کے لئے تین شقوں کا اضافہ کر دیا جائے:

1) اس ملک میں حاکمیت صرف اللہ کی ہے (یعنی انسانوں کے لئے خلافت یا امانت کا تصور ہے)
2) اس ملک میں کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی جو کہ قرآن وسنت کے خلاف ہو۔
3) اس ملک میں صرف مسلمانوں کو مکمل شہریت حاصل ہوگی۔

یہ تیسری شق سیکولر ذہن کے لئے ذرا کڑوی ہے مگر ہے بہت منطقی' کیونکہ جب دوسری شق میں یہ مذکور ہو گیا کہ قانون سازی قرآن وسنت پر مبنی ہوگی تو غیر مسلم تو اس معاملہ میں حصہ نہیں لے سکتے۔ بس یہی وہ حق ہے جو غیر مسلموں کو حاصل نہیں ہوگا کہ وہ قانون سازی سے متعلق کوئی عہدہ نہیں رکھ سکتے۔ باقی تمام حقوق اور مواقع ان کو حاصل ہوں گے اور ان کے ان حقوق اور جان و مال کی حفاظت کرنا خلافت کا فرض ہوگا۔

اسکے بعد ایک معاملہ یہ ہے کہ دور حاضر کی خلافت میں حکمران کون لوگ ہوں گے' تو یہ وہی لوگ ہوں گے جن کو عوام الیکشن کے ذریعے منتخب کریں گے۔ یہ علماء بھی ہو سکتے ہیں اور غیر عالم بھی۔

اس ضمن میں دوسرا اہم معاملہ اجتہاد کا رہ جاتا ہے کہ وہ کون کرے گا۔ تو ظاہر ہے اجتہاد علماء ہی کریں گے' مگر

سے ہم آہنگ ہیں اور اس سے Theocracy (علماء کی حکومت، جس سے سفید فام لوگ کانپتے ہیں) سے بھی جان چھوٹ جاتی ہے۔

مزید میاں مشرف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

''بعض لوگ خلافت کا نعرہ لگاتے ہیں' مگر ان کا یہ موقف نہیں کہ ملک میں خلافت رائج کی جائے بلکہ وہ چاہتے ہیں چار خلفائے راشدین کی تعلیمات کے مطابق حکومت چلائی جائے''۔

اگرچہ یہ الفاظ مبہم ہیں اور اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ان سے مراد کیا ہے۔ مگر ایک عمومی تبصرہ اس پر بھی ہو جائے تو اچھا ہے۔ اس ضمن میں پہلے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اسلام کے سنہرے اصولوں کا مظہر صرف خلافت راشدہ تک موجود تھا۔ اسکے بعد خلافت کی جو بھی شکل آخری دم تک قائم رہی، وہ ملوکیت کا پرتو تھی جسکی تنظیم اسلامی تائید نہیں کرتی۔ نیز یہ کہ قرآن وسنت نے ہمیں نظام خلافت کیلئے کسی واضح سیاسی ڈھانچے (Political Structure) کا پابند نہیں کیا' بلکہ کچھ اصول دے دیئے ہیں اور یہ مسلمانوں کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے ماحول اور وقت کے تقاضوں کے مطابق جو سیاسی ڈھانچہ چاہیں اپنا لیں اور اس ڈھانچے کو اسلام کے اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ کر دیں۔ اسی لئے دیکھئے کہ خلافت راشدہ تک سیاسی ادارے قائم نہیں تھے اور ایک فرد واحد ہی پورا ادارہ ہوتا تھا اور اس دور کے تقاضوں کے مطابق یہ شکل قابل قبول تھی' جبکہ آج کے دور میں یہ قابل قبول نہیں ہے (اس سے قطع نظر کہ ہمارے Napolean اسی کے خواب دیکھتے ہیں)۔ چنانچہ دور حاضر میں ہم ایک اداراتی (Institutional) سیاسی ڈھانچہ اپنا سکتے ہیں اور اس کو خلافت راشدہ یعنی اسلام کے سنہری اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ کر سکتے ہیں۔ اسی لئے ہم نے امریکی سیاسی ڈھانچے کے حوالے سے بات کی۔

مزید یہ بھی جان لیجئے کہ وہ اصول کیا تھے جو خلافت راشدہ تک قائم تھے اور جنکی دنیا تعریف کرتی ہے۔ اس ضمن میں تین اصول تو شقوں کی صورت میں اوپر بیان ہو چکے ہیں، انکے علاوہ چند ایک کی طرف ہم اشارہ کئے دیتے ہیں:

1) تمام معاملات کو شورائیت کی بنا پر حل کرنا
2) عوام کی حکام بالا تک آسان رسائی اور حکومت کے ہر اہلکار کا احتساب
3) عوام کیلئے فوری اور سستے انصاف کی فراہمی
4) ہر شہری کی بنیادی ضروریات یعنی روٹی' کپڑا اور مکان فراہم کرنے کی حکومتی ذمہ داری (گویا ویلفیئر کا نظام)
5) اسلامی تعلیمات کا پوری دنیا میں فروغ
6) پُرامن ماحول کی فراہمی اور شر پسند عناصر کے ساتھ سخت رویہ۔

تو یہ ایک خاکہ ہے موجودہ دور میں خلافت کی ممکنہ شکل کا۔ آخر میں بات وہیں آ کر ختم ہوتی ہے کہ نیت صاف ہے کہ نہیں' ورنہ جہالت کے بل پر زبان درازی کرنا اور خواہ مخواہ میں اپنے دین کی اہمیت اپنے ہاتھوں پامال کرنا اور عوام کے جذبات مجروح کرنا نہ تو عقل مندی ہے اور نہ ہی اکیسویں صدی کا کوئی کارنامہ۔

اوکتائی خان کی معاملہ فہمی

ایک مرتبہ ایک شخص چنگیز خان کے بیٹے اوکتائی خان کے دربار میں آیا اور اس سے کہا کہ میں نے رات کو خواب میں خاقان اعظم چنگیز خان کو دیکھا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میرے بیٹے اوکتائی خان سے جا کر میرا یہ پیغام پہنچاؤ کہ میری خوشی اور خواہش یہ ہے کہ دنیا سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے اور ان کے قتل کرنے میں ہرگز تامل روا نہ رکھا جائے۔ اوکتائی خان نے کہا کہ تو مغلی زبان جانتا ہے' اس نے کہا کہ نہیں میں صرف فارسی میں گفتگو کر سکتا ہوں اور فارسی ہی سمجھ سکتا ہوں۔ اوکتائی خان نے کہا کہ چنگیز خان سوائے مغلی زبان کے اور کوئی زبان نہیں جانتا تھا اور فارسی قطعاً نہیں بول سکتا تھا' تو نے اس کے کلام کو کس طرح سمجھا؟ یہ کہہ کر حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے' یہ جھوٹا آدمی ہے اور چنگیز خان پر بہتان باندھتا ہے چنانچہ اسے فوراً قتل کر دیا گیا۔

(تاریخ اسلام' نجیب اکبر آبادی)

یکے از تحفۂ بھارت

چند تازہ کتابوں کا پیکٹ

✱ پچھلے ماہ اگست کے آخری ہفتے میں بھارت کے دارالحکومت نئی دہلی میں "سارک" سے وابستہ ملکوں میں شائع ہونے والی کتابوں کی ایک بڑی نمائش منعقد ہوئی جو ایک ہفتہ جاری رہی۔ اس نمائش میں پاکستان کے ناشران و تاجرانِ کتب نے بھی شرکت کی۔ کوئی چالیس بھائی لاہور سے بھی گئے۔ کئی احباب نے ہم سے بھی (کسی نے سچ' کسی نے جھوٹ موٹ!) پوچھا کہ آپ کے لئے کیا لائیں؟ ظاہر ہے ہم کتابوں کے سوا وہاں سے کیا منگوا سکتے ہیں۔ چنانچہ بھارت کی کافی کتابیں تحفے میں وصول ہوئیں۔ زیادہ تر ادبی ہیں' یعنی جدید شاعروں کے مجموعہ ہائے کلام اور افسانہ نگاروں کے افسانوی مجموعے۔ "ندا" کے مطلب کی دو کتابیں نکلیں۔ ایک کا نام ہے "ادراکِ زوالِ اُمت"۔ اس کے مصنف راشد نثار ہیں۔ اس کتاب کے بارے میں اپنے تاثرات مطالعے کے بعد ہی پیش کرسکوں گا۔ آج کی نشست میں دوسری کتاب "مکتوباتِ مشاہیر بنام آخون عزیز الٰہی" پر تبصرہ آزمائی مقصود ہے۔

نواب آخون عزیز الٰہی مرحوم حسن پور کے رئیس تھے۔ حسن پور ضلع مراد آباد (یو پی) کا ایک قدیم قصبہ ہے جسے حسن خان صاحب نے شاہجہاں کے عہد میں آباد کیا تھا' اور بادشاہ شاہ عالم نے اسی خاندان کے سربراہ محمد مستقیم صاحب کو "آخون" کے خطاب سے نوازا اور انہی مستقیم صاحب کی اولاد میں عبدالقیوم صاحب تھے اور عزیز الٰہی صاحب انہی کے فرزندِ ارجمند تھے۔ یہ بڑے صالح اور پختہ مؤمن تھے اور اگلے وقتوں کی شرافت اور مروّت کے پتلے۔ طالب علم ہی کے زمانے سے یہ اپنی اسلامیت اور دین داری کے لئے ممتاز تھے۔ اسلامی تحریکوں سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی اے کیا۔

آخون صاحب کا تعلق جماعتِ اسلامی سے بڑا گہرا تھا اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے بہت زیادہ عقیدت تھی' لیکن ان کی وہ استثنائی شخصیت تھی کہ جسے اکابر دیو بند سے' اور دوسرے مسالک کے علماء سے بھی ارادت اور عقیدت تھی۔ بالخصوص حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی' شیخ الحدیث مولانا زکریا' شاہ عبدالقادر' مولانا عبدالماجد دریابادی' شاہ وصی اللہ' مولانا قاری محمد طیب' مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی سے۔ اُن کا مطالعہ بہت وسیع اور گہرا تھا' خاص کر اسلامی لٹریچر کا۔

زیرِنظر کتاب آخون صاحب کے نام مشہور و معروف علماء' مشائخ' صحافیوں' ادیبوں اور دانشوروں کے مکتوبات کا مجموعہ ہے۔ مکتوب نگاروں کی تعداد 74 ہے۔ ان میں سے 42 حضرات کے مختصر سوانح بھی دیئے گئے ہیں۔ کتاب کے شروع میں پیش لفظ ہے اور دہلی کے نامور عالم دین' مفسر قرآن مولانا اخلاق حسین قاسمی اور مشہور محقق اور نقاد پروفیسر نثار احمد فاروقی کے تاثرات بھی دیئے گئے ہیں۔

مکتوب نگاروں میں شاہ عبدالقادر' شاہ وصی اللہ' شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا' مولانا عبدالماجد دریابادی' مولانا قاری محمد طیب' مولانا سید ابوالحسن علی ندوی' مولانا عبدالباری ندوی' مولانا محمد منظور نعمانی' مولانا سید محمد میاں' مولانا انعام الحسن امیر تبلیغ' محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی' مولانا منت اللہ رحمانی' مولانا ظفر احمد عثمانی' مولانا تقی امینی' مولانا حکیم عبدالرشید گنگوہی' مولانا مفتی نسیم احمد فریدی' مولانا ابواللیث ندوی' مولانا احتشام الحسن' حکیم عبدالقوی دریابادی' مولانا ابرار الحق حقی' مولوی عتیق الرحمٰن' سابق ایڈیٹر "الفرقان"' مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادی' شاہ غلام محمد خلیفہ' مولانا سید سلیمان ندوی اور مولوی سراج الحق مچھلی شہری قابل ذکر ہیں۔

کتاب کے افتتاحیہ میں مکتوبات مشاہیر کے سلسلے میں مکتوبات شبلی اور مکتوباتِ ماجدی' یعنی مولانا عبدالماجد دریابادی کے مکتوبات کا ذکر کرنا رہ گیا۔ بہتر ہوتا اگر مولانا فضل الرحمٰن دیوبندی' جن کے چار جلیل القدر فرزندوں کا ذکر کیا گیا ہے (یعنی مولانا حبیب الرحمٰن' مہتمم دار العلوم دیوبند' مولانا شبیر احمد عثمانی' مولانا مفتی عزیز الرحمٰن اور مولانا مطلوب الرحمٰن عثمانی)' ان کے بقیہ پانچ فرزندوں کے نام بھی دے دیئے گئے ہوتے۔

مولانا عبدالباری ندوی کے تذکرے میں کہا گیا ہے کہ وہ 1918ء میں جامعہ عثمانیہ' حیدر آباد کے شعبۂ تالیف و ترجمہ سے وابستہ ہو گئے اور مولانا سید سلیمان ندوی اور تحریک خلافت سے تعلق رکھنے کی وجہ سے انہیں ملازمین سے سبکدوش ہونا پڑا۔ لیکن ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی کے بقول یہ صحیح نہیں ہے۔ مولانا عبدالباری پہلے دکن کالج' پونا میں فلسفے کے استاد رہے۔ اس کے بعد جامعہ عثمانیہ کے فلسفے اور دینیات کے شعبوں سے وابستہ رہے اور وہ اسی یونیورسٹی سے غالباً 1945ء کے وسط میں ریٹائر ہوئے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کے سوانحی خاکے میں لکھا ہے کہ انہوں نے لکھنؤ سے ہفتہ وار "حقیقت" جاری کیا۔ یہ درست نہیں۔ یہ اخبار اُن کے شاگرد اور دُور کے عزیز انیس احمد عباسی نے نکالا تھا اور مولانا کا نام اس اخبار کے "سرپرست" پر آتا تھا اور اس میں مولانا کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ ان کے "سچ" بند ہونے کے بعد 1935ء میں "صدق" عبدالرؤف عباسی صاحب کی مینیجری میں لکھنؤ سے جاری ہوا' اور اکتوبر 1950ء سے "صدق جدید" جاری ہوا۔ مولانا کا انتقال جنوری 1977ء میں ہوا نہ کہ 1976ء میں۔

"مکاتیب مشاہیر" کا یہ مجموعہ بڑا قابلِ قدر اور قابلِ مطالعہ ہے۔ پاکستان کے قارئین اس کے مطالعے سے محروم رہیں گے۔ کاش پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات میں اتنی خوشگواری تو پیدا ہو جائے کہ آدمیوں کے ساتھ ساتھ کتابوں کا سلسلۂ آمد و رفت بھی جاری ہو۔ اگر تعلقات میں اتنی بھی خوشگواری پیدا نہ ہو سکے' تو چلئے عداوت ہی سہی' لیکن یونیسکو کی قرارداد کے مطابق' جن ملکوں میں عداوت کا رشتہ ہو' ان میں بھی علم کے آزادانہ نقل و حرکت (Free flow of knowledge) میں کوئی رکاوٹ نہ ہونی چاہئے۔ "رکاوٹ" کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پاکستانی ناشرین بھارت کی کتابیں اور بھارتی ناشرین پاکستان کی کتابیں ناجائز اور غیر قانونی طور پر "آزادانہ" چھاپ رہے ہیں۔

(تبصرہ نگار: [illegible] قاسم محمود)

کتب موصولہ برائے تبصرہ

- اسلام اور تشخص پاکستان (انگریزی) (جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر جاوید اقبال)
- میرے ہم سفر (احمد ندیم قاسمی)
- حیاتِ رسولؐ (ڈاکٹر محمد ایوب خان)
- اہلِ کفر کے ساتھ تعلقات — وفاداری یا بے زاری (مولانا مقصود الحسن فیضی)
- مضامینِ شورش (پروفیسر محمد اقبال جاوید)
- اربعین نبویہؐ (محمد شریف نقشبندی)
- جموں و کشمیر کا مستقبل اور پاکستان (امیر زمان طاہر)
- دنیا بھر میں مسلمانوں کا قتلِ عام (محمد انور بن اختر)

شہر بہ شہر، قصبہ بہ قصبہ ''تنظیم اسلامی'' کی سرگرمیاں اور اطلاعات

سرگودھا: دعوتی سرگرمیاں

مورخہ 29 اگست 2003ء بروز جمعۃ المبارک امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید کو دعوتِ خطاب دی گئی۔ موضوع تھا ''اسلام کا معاشرتی نظام اور شادی بیاہ کی رسومات''۔ اس کے لئے ذاتی رابطے' پریس ریلیز' ملکی اخبارات' بینرز اور پمفلٹ کے ذریعے اہلیانِ شہر کو دعوت دی گئی اور بھرپور طور پر موضوع کی اشاعت کی گئی۔ اجتماع مرکز تنظیم اسلامی' مین روڈ سیٹلائٹ ٹاؤن میں منعقد کیا گیا۔ جناب حافظ عاکف سعید مع ناظم تربیت جناب شاہد اسلم کے قریباً گیارہ بجے مرکز میں تشریف لے آئے۔ قدرے استراحت کے بعد سوا بارہ بجے خطاب جمعہ طے شدہ موضوع پر شروع ہوا۔ سوا بجے تک خطاب جاری رہا اور موضوع پر سیر حاصل تقریر ہوئی۔ رفقاء اور احباب نے بہت سراہا۔ نماز جمعہ جناب شاہد اسلم نے پڑھائی۔ بعد از نماز محترمہ جمشید جبیں صاحبہ کی بھتیجی اور تنظیم کے مبتدی رفیق کامران علی خان کی ہمشیرہ کا نکاح ہمراہ جناب کیپٹن چوہدری افضال بھی امیر محترم سے پڑھوا کر بانی تنظیم کی جاری کردہ اس احیاءِ سنت کی تحریک سنتِ نبوی کی اتباع کامل کے طریق پر نکاح کی تقریب کو پھر سے زندہ کیا گیا۔ بانی تنظیم اسلامی نے سرگودھا میں ہی اپنے بھائی کے نکاح سے اس کا آغاز کیا تھا۔ آج تیس سال بعد تنظیم اسلامی سرگودھا کے مرکز میں حلقہ خواتین کی ناظمہ محترمہ جمشید جبیں صاحبہ کی سعی و جہد سے اس کا پھر سے احیاء ہو گیا۔ جناب عاکف سعید نے نکاح سے پہلے عقدہ نکاح' اس کی اہمیت و فضیلت اور طریقۂ نبوی کی برکات اور اس خالص اسلامی تقریب میں خرافات کے داخل ہو جانے سے اس کی کامل ہیئت کے تبدیل ہو جانے کے مراحل پر تفصیلی گفتگو فرمائی۔

وہ لوگ جو اس اجنبی طریقۂ نکاح سے دل گرفتہ شریک تقریب محسوس ہو رہے تھے' ان کی زبان سے بھی حقیقت کا ادراک ہو جانے کے بعد کلمہ خیر سن لینے پر خوشی ہوئی۔ امید واثق ہے کہ اس تقریب سے ہماری تحریک کو ان شاء اللہ تقویت ملے گی اور بانی تحریک جناب ڈاکٹر اسرار احمد اور ان کے جانشینوں کے لئے اجر و ثواب کا باعث ہو گی۔

اس دعوت و تقریب میں قریباً 500 لوگ شامل ہوئے اور ہمیں اپنی جگہ کی تنگی کا احساس ہوا۔

تقریب کے بعد باوجود ناسازیٔ طبع امیر محترم نے کمال شفقت و مہربانی سے تمام رفقاء سے ملاقات کی۔ ملتزم رفیق مہر نذیر مرحوم کے بیٹوں مقبول حسین اور مسعود سعید سے تعزیت کی۔ ملتزم رفیق محمد اسلم کے بیٹے کی ناگہانی موت پر تعزیت کے لئے ان کے گھر جانے کا پروگرام ملتوی ہوا' کیونکہ اسلم صاحب لاہور گئے ہوئے تھے۔

امیر محترم نے تمام رفقاء کے ساتھ مرکز میں ہی مسجد کی صفوں پر بیٹھ کر دوپہر کا کھانا تناول فرمایا' مختصر ہدایات اور ترغیبی کلمات سے نوازا اور عازمِ لاہور ہوئے۔ مجموعی طور پر پروگرام بہت کامیاب رہا۔ اللہ تعالیٰ اس سعی و جہد کو قبول فرمائے! (رپورٹ: ملک خدا بخش)

کراچی شمالی: تنظیم اسلامی کا ماہانہ اجتماع

تنظیم اسلامی کراچی شمالی کا ماہانہ اجتماع 24 اگست 2003ء بروز اتوار دفتر تنظیم اسلامی کراچی شمالی میں صبح 7 بجے منعقد ہوا۔

نوید مزمل نے سورۂ حشر کے تیسرے رکوع کے ذریعے تذکیر بالقرآن سے میٹنگ کا آغاز کیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو آخرت کا سامان کرنے اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کی ہے اور ساتھ ہی احساس دلایا ہے کہ خدا فراموشی دراصل خود فراموشی ہے' اور یہ کہ اصل کامیابی جنت کی شکل میں رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

مطالعۂ حدیث کے ذریعے سیف الرحمٰن نے رفقاء کو یاد دہانی کرائی کہ اُن کی تنظیم میں شمولیت کا اصل مقصد رضائے الٰہی ہے۔ اور دینِ اسلام کی سربلندی کے لئے دوڑ دھوپ اور دیگر سرگرمیاں جس قدر ضروری ہیں اسی قدر انفرادی طور پر خود احتسابی اور خدا سے تعلق میں اضافہ بھی نجات کے لئے ناگزیر ہے۔

مطالعۂ لٹریچر میں اس مرتبہ ''قرآن مجید کے حقوق'' میں سے تیسرا حق یعنی ''تذکر و تدبر'' زیر مطالعہ رہا۔ رفقاء نے طے شدہ طریقۂ کار کے تحت پہلے دو حصوں میں تقسیم ہو کر اور پھر ساتھ مل کر مطالعہ و مذاکرہ کیا' جس میں واضح ہوا کہ ''ماننے'' اور ''پڑھنے'' کے بعد ''سمجھنا..... تذکر و تدبر'' نہ صرف قرآن مجید کا حق ہے بلکہ اس کے نزول کا اصل مقصد اور اس پر ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ تعلیماتِ قرآنی کا تذکر انسان کی فطرتِ سلیمہ کی ترجمانی اور یاد دہانی ہے اور قرآن کے معانی پر گہرے غور و فکر کا نام تدبر ہے۔ تذکر کے اعتبار سے قرآن مجید حصولِ ہدایت کے لئے جتنا آسان ہے' تدبر کے نقطۂ نظر سے اسی قدر مشکل ہے' کیونکہ اس کی شرائط بڑی کڑی ہیں۔

مذاکرے کے بعد رفقاء نے سید اظہر ریاض (مقامی امیر) کا مرتب کردہ ٹیسٹ پرچہ حل کیا جو قرآن مجید پر تذکر و تدبر کے حوالے سے معروضی سوالات پر مشتمل تھا۔ اس کے ذریعے سے رفقاء کو یہ جانچنے کا موقع ملتا ہے کہ انہوں نے مطالعہ و مذاکرہ سے کتنا کچھ سیکھا ہے۔

ناشتے پر اجتماع کا اختتام ہوا۔ (رپورٹ: عزیر احمد صدیقی)

گوجرہ: سہ روزہ پروگرام

مرکزی شعبۂ دعوت کے زیر اہتمام گوجرہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں 14 تا 16 ستمبر ایک سہ روزہ پروگرام منعقد ہوا۔

گوجرہ کے ہمارے دیرینہ ساتھی غلام نبی صاحب کی خواہش اور مطالبے پر یہ پروگرام ترتیب پایا۔ سرگودھا سے دو رفقاء محمد افضل اور محمد اسلم صاحبان نے ''تفریغِ اوقات'' کے سلسلے میں 3 دن اس پروگرام کے لئے فارغ کئے۔ مرکز سے راقم (رحمت اللہ بٹر) اور محمد اشرف وصی نے اس پروگرام میں شرکت کی۔

14 ستمبر' دوپہر 11 بجے 4 افراد کا قافلہ گوجرہ پہنچا۔ غلام نبی صاحب استقبال کے لئے موجود تھے۔ ہمارا پڑاؤ مسجد شہداء جھنگ روڈ پر تھا۔ یہاں ٹوبہ اور شورکوٹ سے تین اور ساتھی میجر (ر) محمد احسن' عبدالغفار اور شکیل احمد صاحبان بھی شامل ہو گئے۔

مقامی ساتھیوں میں سے پاشا گلزار اور محمد اسلم صاحبان بھی تشریف لے آئے۔

نماز ظہر سے ہی پروگراموں کا آغاز ہو گیا۔ دو مسجدوں میں بیان ہوا۔ رحمت اللہ بٹر نے مسجد قباء اور محمد افضل نے مسجد تھانہ میں عبادت رب کے موضوع پر خطاب کیا۔

اسی روز بعد نماز عصر' مغرب اور عشاء مختلف مساجد میں سات خطابات ہوئے۔ مقررین میں محمد اسلم' رحمت اللہ بٹر' عبدالغفار اور اشرف وصی صاحبان شامل تھے۔

15 ستمبر کو بھی نماز فجر کے بعد سے خطابات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ فجر کی نماز کے بعد 2 مساجد میں درسِ قرآن کی نشست ہوئی۔ 8 بجے صبح اصلاح ماڈل ہائی سکول میں نہم اور دہم کے طلباء سے خطاب کرنے کا موقع ہیڈ ماسٹر جناب چوہدری محمد دین کے تعاون سے حاصل ہوا۔ اس روز امیر حلقہ انجینئر مختار حسین فاروقی اور امیر مقامی تنظیم (ٹوبہ ٹیک سنگھ) پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحبان بھی تشریف لے آئے اور مقررین کی صف میں شامل ہو گئے۔ اس روز بھی حسب معمول نمازوں کے بعد خطابات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نو خطابات ہوئے۔ مقررین میں انجینئر مختار حسین فاروقی' پروفیسر خلیل الرحمٰن' عبدالغفار' رحمت اللہ بٹر اور محمد اشرف وصی صاحبان شامل تھے۔ 16 ستمبر کو حسب معمول بعد نماز فجر تین مساجد میں درسِ قرآن کی نشست ہوئی۔ بدر سین میں انجینئر مختار حسین فاروقی' رحمت اللہ بٹر اور عبدالغفار صاحبان شامل تھے۔ 8 بجے صبح شبلی کالج میں انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب نے طلباء اور اساتذہ سے خطاب فرمایا۔ 10 بجے راقم نے جناح کالج کے طلبہ اور اساتذہ سے خطاب کیا۔ بعد نماز عصر مسجد خضرا میں غلبۂ دین کے موضوع پر گفتگو پر تین روزہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

حلقہ سرحد شمالی: ماہانہ شب بسری

خیر و شر کے آخری معرکے میں کلیدی کردار ادا کرنے کے لئے قلب خراسان مالاکنڈ تنظیم

اسلامی کے مٹھی بھر رفقاء کے نعروں کی زد میں ہے۔ اقامت دین کے لئے ان کے یہ نعرے گوشِ سحاب میں سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ حلقہ سرحد شمالی کے امیر محمد فہیم صاحب کے سر ہے۔ اگرچہ پیرانہ سالی کی وجہ سے وہ ہر وقت بیمار رہتے ہیں لیکن اقامت دین کے لئے آپ کا جذبہ اور عزم جواں ہے۔

مورخہ 6/ ستمبر کو تیمر گرہ میں حلقہ سرحد شمالی کے تحت ماہانہ شب بسری کا انعقاد ہوا۔ پروگرام کا آغاز مولانا غلام اللہ حقانی کے درسِ قرآن ''قرآن کا انسانِ مطلوب'' سے ہوا۔ آپ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں مردِ مؤمن کی خصوصیات اور اس کی سیرت و کردار پر روشنی ڈالی کہ جب ان بنیادوں پر ایک انسانی شخصیت کی بتمام و کمال تعمیر ہو جاتی ہے اس میں جو حسن اور جو دل کشی پیدا ہوتی ہے یہی قرآن کا انسان مطلوب ہے۔ بقول شاعر ؎

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مؤمن
حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مؤمن

بعد نماز مغرب حبیب علی صاحب عبادت ربّ کے موضوع پر سامعین سے مخاطب ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن کی اصل دعوت یہی ہے: یَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ اور یہی وجہ ہے کہ جتنے بھی انبیائے کرام مبعوث ہوئے ہیں ان کی دعوت کا بنیادی نکتہ یہی تھا۔ ہر پیغمبر نے لوگوں کو غیروں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانے کی کوشش کی ہے۔

نماز عشاء کے بعد ممتاز بخت نے درس حدیث کے ذیل میں امیر کی سمع و طاعت پر بہت زور دیا۔ چونکہ سامعین بہت تھک چکے تھے اس لئے سونے سے پہلے غلام اللہ حقانی نے کلام اقبال کے ذیل میں ''سرگزشت آدم'' پر نہایت خوبصورت اور برجستہ انداز میں لب کشائی کی اور تھکے اور سوئے ہوئے سامعین میں پھر سے بیداری پیدا کر دی۔

نماز فجر کے بعد فیض الرحمٰن صاحب نے ''قرآن کا تصورِ الٰہ'' پر ایمان افروز درس دیا۔ آپ نے الٰہ کے مختلف مفاہیم کو واضح کیا اور ساتھ یہ بات بھی واضح کر دی کہ لوگوں نے رسولوں کی بات پر تعجب اس لئے کیا اور وسوسوں میں اس لئے مبتلا ہوئے کہ انہوں نے الٰہ کو حاکم ماننے سے انکار کر دیا۔ فرعون نے بھی موسیٰ کو یہی کہا تھا:

﴿لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ﴾

یعنی زمین پر جس کا قانون نافذ ہو وہی الٰہ ہے۔

یہ پروگرام امیر حلقہ کے نہایت مفید مشوروں سے اختتام کو پہنچا۔ (رپورٹ: حضرت نبی محسن)

اسرہ بہاول پور: ماہانہ شب بسری

مورخہ 5 ستمبر بروز جمعۃ المبارک مرکز تنظیم اسلامی مدینہ ٹاؤن بہاولپور میں یہ پروگرام منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز بعد نماز مغرب امیر حلقہ بہاول نگر و بہاول پور جناب میر صاحب کے درس قرآن سے ہوا جو قریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا۔ بعد نماز عشاء درس حدیث ہوا۔ ذوالفقار صاحب نے موسیقی اور آلات موسیقی کی ممانعت پر مبنی احادیث کی تشریح کی اس کے بعد کھانے اور آرام کا وقفہ ہو گیا اور صبح تہجد کے بعد ہمارے نئے ساتھی ذوالقرنین صاحب نے اپنا پہلا درس قرآن دیا۔ نماز فجر کے بعد ذوالفقار صاحب نے درس قرآن دیا اور یوں ماہانہ شب بسری کا پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ حاضرین کی تعداد 50 رہی۔

(رپورٹ: طاہر اقبال بیگ)

تربیت گاہ برائے مبتدی رفقاء

ان شاء اللہ العزیز 12 تا 18 اکتوبر 2003ء
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی، گڑھی شاہو لاہور میں منعقد ہو گی۔

دعائے مغفرت

مرکزی ناظم تربیت جناب شاہد اسلم صاحب کی والدہ محترمہ گزشتہ دنوں انتقال کر گئی ہیں۔ قارئین ندائے خلافت اور رفقاء تنظیم اسلامی سے استدعا ہے کہ وہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت اور لواحقین کے حق میں صبر جمیل کی دعا فرمائیں! اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھَا وَارْحَمْھَا وَحَاسِبْھَا حِسَاباً یَسِیْراً ۔ آمین یا رب العالمین

☆ ☆ ☆

تنظیم اسلامی لاہور کے دیرینہ رفیق جناب فیاض حکیم کے والد محترم گزشتہ روز انتقال کر گئے۔ قارئین ندائے خلافت و رفقاء تنظیم اسلام سے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

منجانب: ناظم نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی

ضرورت رشتہ

انصاری فیملی کے 28 سالہ نوجوان، تعلیم MBA، مقیم انگلینڈ کے لئے 4 سے 5 تک کی دوشیزہ، جو پڑھی لکھی اور قبول صورت ہو، ترجیحاً انصاری فیملی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: ڈاکٹر عبدالسمیع

PH # 0044-77-4337-2188

E:mail: abdussamie@hotmail.com

ایک نئی طرز کا چہلم!

جب رحمت اللہ ولد نجیب اللہ مرحوم دونی چند سٹریٹ نمبر 8 مکان نمبر 11 پرانی انارکلی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ یکم مئی 1992ء کراچی سے ٹیلی فون پر اطلاع ملی کہ میری والدہ محترمہ جو کہ ایک عزیز کی شادی کے سلسلہ میں کراچی تشریف لے گئی تھیں، سخت علیل اور ہسپتال میں داخل ہیں۔ اسی دن میں بذریعہ جہاز کراچی پہنچ گیا۔ ڈاکٹروں کی کوشش کے باوجود والدہ محترم رحلت فرما گئیں۔ 2 مئی کو انہیں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ 4 مئی 92ء میں والدہ صاحبہ کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر ناظم آباد نمبر 4 جہاں میں اپنے پھوپھی زاد بھائی کے گھر پر مقیم تھا پہنچا تو ایک بڑے میدان میں نصب شامیانہ دیکھ کر رکھا کہ وہاں ٹیلی ویژن کے ذریعہ وی سی آر پر فلم دکھائی جا رہی ہے۔ میں سمجھا کہ کوئی سیاسی جلسہ ہے یا شادی کی تقریب ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں سمجھا کہ کوئی سیاسی جلسہ ہے یا شادی کی تقریب ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ ''اسی علاقہ میں فلاں صاحب کا انتقال ہو گیا تھا آج ان کا چہلم ہے اور یہ فلم چونکہ مرحوم کو بہت پسند تھی اس لئے موصوف کے ایصالِ ثواب کے لئے لوگوں کو یہ فلم دکھائی جا رہی ہے۔''

رسالہ ''ٹی وی کا زہر'' سے دو واقعات

☆ یہاں کراچی میں ایک لڑکی کے دماغ کی رگ پھٹ گئی۔ دماغی امراض کے مشہور سپیشلسٹ ڈاکٹر جمعہ خان نے معائنہ کر کے بتایا کہ یہ دماغی رگ ٹی وی دیکھنے سے پھٹی ہے۔''

☆ ایک لڑکی آنکھوں کے سپیشلسٹ کے پاس نظر ٹیسٹ کرانے آئی۔ ڈاکٹر نے کہا کہ اس کی نظر ٹی وی دیکھنے سے کمزور ہو گئی ہے۔

a normal process in the life of a society. But westernization is the adoption of an alien culture. It is indeed possible to remain faithful to one's own cultural traditions and simultaneously welcome change or modernity. Muslim liberal thinkers in South Asia and the founding fathers of Pakistan successfully incorporated modern ideas of the West within the Islamic culture. In reality, Pakistan is a product of the fusion of new Western ideas with Islam.

The confrontational theories of civilizations are based on unverified facts. The theoreticians have not paid enough attention to the recent past or contemporary history of the Muslim world which contains different nation–states, is governed by different political systems and guided by different political interests. While it is rich in resources, it is not united. It cannot pose any threat to the West.

The main concern of the U. S. and its Western allies in the Muslim Middle East is the preservation of Israel, even if they have to redraw the map of the Middle East. Therefore, they feel threatened if any Muslim state acquires military strength. Pakistan's nuclear capability has been termed the "Islamic" bomb because there is an apprehension in the West that if nuclear technology falls into the hands of extremists or is transmitted to any other Muslim state like Iran, Iraq or Libya, it may be used against Israel. On the other hand, Israel's significant but undeclared nuclear capability is tolerated and indeed accepted with equanimity.

There is no real possibility of a general clash between Islam and the West at present. But if the terrorist activities of some Muslim militants against the all-powerful U.S. lead her to retaliate by launching missile attacks or carpet-bombing on Muslim states like Iraq or Iran, instead of picking up the culprits by other means, then the liberal Muslim governments are likely to be destabilized by the spill-over effects of war. The overthrow of these governments may lead to their replacement by extremist elements and the fragmentation of these states.

Although in the past fifty five years Pakistan has drifted away from the ideals of the founding fathers, the preponderant majority of Pakistani Muslims has always been moderate by temperament. They subscribe to the liberal view of Islam propounded by Jinnah. They believe in cultural pluralism and peaceful co-existence with others. But since the past two decades they are being held hostages by the extremist minority that has emerged with the encouragement of the military dictator Zia-ul-Haq, who exploited them as his own power base. The Islamic identity of Pakistanis is a strong emotional link between them and the rest of the Muslim world. They are deeply concerned with the merciless killing of innocent Afghans and Iraqis, who had nothing to do with terrorism, by the invading U.S. army, the systematic genocide of the Palestinians by Israel with U.S. support, and the atrocities being committed against Muslims in Kashmir to which the international community has turned a blind eye.

It is unfortunate that the repeated military coups in Pakistan have not allowed dynamic democratic leadership to develop in the past. Pakistanis are capable of developing their polity along the lines envisaged by the founding fathers if the democratic institutions are permitted to flourish without impediments created by the outgoing military regime which on every occasion results in power being transferred to the same elements who had earlier been responsible for causing a break down of the democratic dispensation. The politicians quarrel. The army takes over. The politicians agitate for restoration of democracy. The army transfers power to them. The politicians again quarrel. The army again takes over. Even if it is claimed that the cult of personality has been suppressed, that political parties will be encouraged to gain strength, and that opportunities will be provided to the educated, intelligent and talented young men and women to participate in the political progress and economic development of their country, the same feudal aristocracy, corrupt bureaucracy, remnants of the colonial past, opportunist industrial magnates and drug barons, with a different face, collude with the "fauji" wielders of power and step in since all of them have a common interest that the status quo should prevail.

Pakistan is trapped in a vicious circle. Progressive, educated and committed individuals, who could contribute to the development of Pakistan, are constrained to consider other avenues of developing their potentials such as migrating to countries which would provide them better opportunities. If data is collected regarding the numbers of young Pakistanis who annually apply for citizenship abroad, it would become evident that those who have the potential of being leaders of the new generation are contemplating abandoning this country to its misfortunes, since they see no likelihood of their being able to participate in bringing in a government which represents their ideals. The low turn out at the polls in elections is also indicative of the fact that the majority of Pakistanis have lost faith in the manner in which the electoral process is conducted.

The process of accountability on every occasion is selectively exercised, and even those who come within its net, are at liberty to enjoy their ill-gotten gains by surrendering part of these to the prosecutors who are legally permitted to share the recovered spoils. A new power elite has emerged which is out to dominate the political, cultural and economic scene with the vast resources at its disposal collected through dubious methods.

Unless a system is evolved whereby honest, committed and educated individuals are enabled to participate in the governance of the country and development of stable democratic institutions that can ensure the availability of opportunity to every citizen to develop his/her potential, the political independence that has been attained by the establishment of Pakistan will remain an illusion.

The founding fathers and their generation have long since departed; the following generation has failed to discharge honourably the trust that was reposed in them. Pakistan is not a failed state; it is in the hands of a failed generation.

Pakistan stands on a crossroad. Its only hope of salvation is to entrust the new generation with the responsibility of managing its affairs. Pakistan has vast human and material resources; its ideology is derived from a liberal, humanistic and egalitarian vision of a state, which is to be run according to modern, democratic and Islamic ideals interpreted on the basis of "Ijtihad" in every sphere of the collective life of the people of Pakistan. It is the responsibility of those who wield power to persuade and encourage the educated and dedicated young men and women to grasp this opportunity to fulfill the dream of the founding fathers of Pakistan.

*** Excerpt taken from "ISLAM AND PAKISTAN'S IDENTITY"**

By : Dr. Javid Iqbal *

Vol : 12 Regd. No. LRL -50 No.35
Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

Three major events in the recent past

Dr. Javid Iqbal

At this stage, three questions are relevant. First, why does the West regard the Muslim world as its new enemy? Second, why are the so-called fundamentalist Muslims opposed to the West? Third, how did the reformist Muslim thinkers, particularly from South Asia reconcile Western ideas with Islam and thereby advocate peaceful co-existence with the West and other civilizations?

The West's antagonism toward Islam dates back to the times of the Crusades. The memories of Muslim rule over Spain, the fall of Constantinople, the siege of Vienna, the Christian defeat at Gallipolis and numerous other such incidents make Westerners feel perennially threatened by Islam. When new challenges emanate from "militant" Islamic factions, it only exacerbates this feeling.

Three major events in the recent past have raised the Western apprehension of a new Islamic resurgence: 1) the Iranian Revolution, 2) the Islamist success in Algerian elections, and 3) the Taliban victory in Afghanistan. The image of an aggressive and revolutionary Islam, that believes in a fusion of the spiritual and the temporal, that recognizes no territorial boundaries, that cuts across continents, nations and races and, like Christianity, is the only other global religion, becomes a matter of great concern. As a proselytizing faith, Islam is projected as a catalytic force destined to achieve ultimate triumph and universal acceptance. As a universal ideology, Islam by itself is a challenge to the West's conviction of its own civilizational superiority, claimed on the basis of secular humanism, and its ultimate victory. Against this background, according to Shireen Hunter, "Islam is the ideal candidate for the new enemy figure that will fill the gap created by the fall of Communism (*The Future of Islam and the West*).

Muslims' collective memory of Western domination is more recent and fresh. Specifically, the roots of their rage are found in the past three centuries of humiliation under the expansion of Western imperialism from Africa to the Middle East and to South East Asia. The creation of Israel aggravated the humiliation of the Arabs especially when a large number of Palestinians were expelled from their homeland. In Muslim eyes, the U.S. military support enabled Israel to inflict defeat after defeat on Arab States. Similarly, the support of anti-people rulers like the Shah of Iran and encouraging Sadat at Camp David to make sweeping concessions to Israel, the Gulf War, the continuous blockade of Iraq and its periodic bombardment during the last ten years and the denial of democratic rights to "Islamists" in Algeria are some of the many irritants which outrage Muslims. The slaughters of the Muslims in Bosnia, Kashmir, Chechnya and Kosovo, in addition to a large number of Muslim refugees leaving their homes in these countries, have been generally blind-sided by the West. Moreover, Muslims are convinced that the U. S. and her allies have double moral standards where Muslims are involved. The United Nations' resolutions against Israel are always ignored while those against Iraq are immediately implemented.

When inspectors of the UN team headed by Hans Blix reported that there were no Weapons of Mass Destruction or Chemical Weapons in Iraq, President Bush and British Prime Minister Tony Blair declared unilaterally that they would affect a regime change in Iraq. Their justification being that: Saddam was oppressing the masses; he had Weapons or Mass Destruction; and he was harbouring terrorists.

"Operation Iraq Liberation "(OIL) was renamed "Operation Iraq Freedom" and "Coalition" forces arbitrarily launched an invasion of Iraq during which they indiscriminately used Weapons of Mass Destruction against the innocent Iraqi population. This so called pre-emptive action which was taken despite the protests of almost all the members of the United Nations has set a horrific international precedent whereby any state possessing adequate Weapons of Mass Destruction would be at liberty to invade any other sovereign state with impunity on the pretext that it is pre-emptive action. It is pertinent to note that the Pentagon had announced that only the US has the right to control post-war Iraq since its forces have rendered innumerable sacrifices during the war. This exposes the malafide intention of the US of recovering its entire war-cost and bolstering its economy at the expense of the innocent and wretched Iraqi people who have already undergone immense suffering first at the hands of Saddam and then his "successors", the Coalition forces.

On the one hand the US policy-makers persistently ignore the daily excesses perpetrated by the Israeli forces against unarmed and helpless Palestinians and on the other they are "rushing" to free the Iraqis from the purported excesses of the dictatorial regime of Saddam. Anti-war rallies around the world have refuted Huntington's hypothesis that the future conflicts would be based not on political ideologies or economics but on clash of cultures. The conflict in Iraq is clearly based on economic expediency. In short, naked aggression in the garb of pre-emptive action and the duplicitous conduct of the US and her allies are substantially responsible for engendering aggressive extremism in Muslim countries.

These extremist groups call their militant struggle "Jihad" which is misinterpreted by the Western policy-makers as an aggressive "terrorist" holy war to destroy Western civilization. The Islamic concept of Jihad means "to put in effort" or "to struggle" to achieve a desired objective. Militarily, it is war which can be waged only by an Islamic state against those non-Muslims who are: enemies of Muslims, have forcibly occupied Muslim territories, are subjecting Muslims to oppression, there exists no treaty of peace between Muslims and them, the nature of war must be defensive and finally, there must be chances of winning the war.

However, if different groups of Muslim militants rise against their Non-Muslim oppressors in a predominantly Muslim country, then even if it is called Jihad, it is essentially a national struggle of freedom. Such is the case in the Indian-held Kashmir or in Palestine, where wars for national freedom are being waged to regain lost territories and political rights.

In reality, a large number of Muslims all over the world who stand for peaceful co-existence with the West and other civilizations have either accepted modern ideas or have reconciled them with Islam. The liberal-reformist Muslim thinkers differentiate between modernity and westernization. According to them, modernization is the recognition of the factor of change as